نذرِ اقبال

علامہ اقبال پر لکھی گئی نظموں کا انتخاب

ذوالفقار احمد تابش

اقبال اکادمی پاکستان

نذرِ اقبال

علامہ اقبال پر لکھی گئی نظموں کا انتخاب

ذوالفقار احمد تابش

نیشنل کمیٹی برائے صدسالہ تقریبات ولادت علامہ محمد اقبالؒ

اقبال اکادمی پاکستان
۹۰ - بی - ۲ - گلبرگ ۳ ○ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

ناشر	**ڈاکٹر محمد معزالدین**
	ڈائریکٹر ، اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور
طابع	**سید اظہارالحسن رضوی**
مطبع	مطبع عالیہ ، ۱۲۰ ٹمپل روڈ ، لاہور
طبع اول	۱۹۷۷ء
تعداد	۱۱۰۰

انتساب

اقبال کے مرشدِ روحانی

اور اپنے حضور

آقائی مولانا جلال الدین رومیؒ

کے نام

علامہ محمد اقبالؒ

(۱۸۷۷—۱۹۳۸)

حرفِ اول

اس کتاب کے اصل محرک جناب ابن انشا ہیں اور انھیں کی تحریک پر میں نے یہ مجموعہ مرتب کیا ہے۔ ابتداء میں جب میں نے کام کا آغاز کیا تو میرا خیال تھا کہ مجھے چنداں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا بلکہ یوں ہی چند دنوں میں کتاب مرتب ہو جائے گی لیکن جوں جوں کام آگے بڑھا تو احساس ہوا کہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ دشواری یہ پیش نہیں آئی کہ علامہ اقبال پر نظمیں کم یاب ہیں بلکہ مشکل یہ پیش آئی کہ نظموں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ انتخاب کرنا محال ہوگیا۔

علامہ اقبال ہمارے ہی نہیں اپنے عہد کی بھی نہایت محبوب و محترم شخصیت تھے چنانچہ تقریباً ہر چھوٹے بڑے شاعر نے ان پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھا۔ ان کی وفات پر تو خاص طور پر اس قدر لکھا گیا کہ اس مجموعے جیسے کئی مجموعے مرتب کیے جا سکتے ہیں۔ تحسین و عقیدت کا یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور جاری رہے گا چنانچہ یہ مجموعہ اپنے اندر تمام ادوار کی نظمیں سمیٹے ہوئے ہے۔

لیکن یہ نظمیں یکجا کرنے میں مجھے بلا مبالغہ ہزارہا اخبارات و رسائل اور کتابوں کے صفحات دیکھنے پڑے اور ہزاروں نظموں میں سے یہ چند نظمیں کا انتخاب ہے ۔

میں نے ایک چھوٹا سا التزام یہ بھی رکھا کہ علامہ اقبال کے ہم عصر شعرا کا کلام خاص طور پر تلاش کیا کیونکہ میرے نزدیک وہ کلام زیادہ اہم ہے ۔ ایک تو اس اعتبار سے کہ وہ اساتذہ کا کلام ہے اور دوسرے اس لحاظ سے کہ یہ کلام اس بات کا آئینہ دار ہے کہ اس عہد کے شعرا اور سرکردہ اہل قلم علامہ اقبال کے بارے میں کیا جذبات رکھتے تھے ۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اس مجموعے میں تقریباً سبھی بڑے شعرا کا کلام شامل ہے ظاہر ہے کہ اس کام کے لیے تلاش و جستجو کے کئی دشت طے کرنے پڑے ۔

اس مجموعے میں آپ علامہ اقبال کے ہم عصر شعرا اور اساتذہ کے پہلو بہ پہلو ان کے بعد کی نسل کے نمائندہ شعرا اور آج کے عہد کے شعرا کا کلام بھی دیکھیں گے ۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ان کی بہترین نظموں کا انتخاب کیا جائے یعنی بلحاظ شاعری ۔ چنانچہ بہت سے شعرا کی بہت سی نظموں میں سے صرف ایک یا دو نظموں کا انتخاب کیا گیا ہے ۔

اس مجموعے میں آپ کو کچھ نام ایسے بھی نظر آئیں گے جو ممکن ہے آج نامانوس اور غیر معروف لگیں ۔

ایسے شعرا کی نظمیں دو وجوہ کی بنا پر شامل کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ وہ شعرا آج زیادہ معروف نہیں مگر اپنے عہد کے مشہور اور اچھے لکھنے والوں میں شمار ہوتے تھے۔ دوم یہ کہ وہ شعرا غیر معروف اور کم اہم سہی لیکن محاسنِ شعری کے اعتبار سے ان کی نظمیں بہت اچھی ہیں۔ میں ایک اچھی نظم کو محض شاعر کے نامانوس ہونے کے سبب رد نہ کرسکا۔ آپ دیکھیں گے کہ ایسی نظمیں شاعر کی علامہ مرحوم کے ساتھ عقیدت اور محبت کے جذبات سے لبریز ہیں۔

اس انتخاب میں آپ کو کچھ نظمیں ایسی بھی ملیں گی جن کی تاریخی اعتبار سے یا کسی خاص پس منظر کی وجہ سے بہت اہمیت ہے۔ ایسی نظموں کو خاص طور پر شامل کیا گیا ہے کہ ان کے بغیر یہ مجموعہ، نمائندہ مجموعہ ہرگز نہ کہا جا سکتا۔ ایسی نظموں کی تاریخی اہمیت یا ان کے مخصوص پس منظر کا احوال ''تعلیقات'' کے حصے میں درج کر دیا گیا ہے تا کہ قاری ایسی نظموں سے پوری واقفیت حاصل کرسکے اور ان کی اہمیت سے آگاہ ہوسکے۔

اس مجموعے کی ترتیب میں میرے بہت سے دوستوں اور کرم فرماؤں کی عملی مدد اور رہنمائی کے ساتھ ساتھ مشاورت بھی شامل حال رہی۔ ان سب احباب کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا اگرچہ مجھ پر واجب ہے لیکن جگہ کی قلت کے

باعث ایسا ممکن نہیں - تاہم چند دوستوں کا تذکرہ ضروری ہے - اگر ان کی مدد مجھے حاصل نہ ہوتی تو یہ مجموعہ شاید یہ شائستگی اور حسنِ ترتیب حاصل نہ کر سکتا - ان احباب میں اقبال اکادمی کے ڈائرکٹر جناب محمد معزالدین اور پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے جناب محمد ضیا ، گورنمنٹ کالج سرگودھا کے جناب رفیع الدین ہاشمی ، روزنامہ امروز کے جناب نو بھائی کا میں خاص طور پر ممنون ہوں -

جناب عبدالغفار احمد کا میں شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بڑی محنت اور عرقریزی کے ساتھ اس کتاب کے پروف دیکھے اور اغلاط کی درستی کی ، جناب سید اظہارالحسن رضوی کا شکریہ بھی مجھ پر واجب ہے - ان کے ذوقِ طباعت کا میں بہت مداح ہوں چنانچہ انہوں نے جس محبت اور شوق کے ساتھ اس کتاب کی طباعت کی ہے وہ میرے لیے وجہ تسکین و اطمینان ہے -

آخر میں مجھے یہ اظہار عجز کرنا ہے کہ اگرچہ میں نے اپنی جانب سے اس مجموعے کو نمائندہ ترین مجموعہ بنانے کی ہر ممکن سعی کی ہے لیکن ممکن ہے کہ چند اہم تخلیقات اب بھی میری نظروں سے اوجھل رہ گئی ہوں - ایسی کوتاہی کو میری مجبوری سمجھا جائے - میری درخواست ہے کہ

احباب مجھے اس سلسلے میں مطلع فرمائیں تاکہ اگر اس کتاب کے دوسرے اڈیشن کی باری آئے تو اس میں مناسب ترمیم اور اضافہ کیا جا سکے -

ذوالفقار احمد تابش

لاہور

۲۶ نومبر ۱۹۷۷

ترتیب

اے کہ دنیائے سخن میں تری تمثال نہیں

اقبال کے حضور نذرانۂ عقیدت

اقبال	اکبر الہ آبادی ، ۱
نذرِ عقیدت	مولانا گرامی ، ۲
اقبال	علامہ عبداللہ عمادی ، ۴
اقبال چیست	مولانا عظامی ، ۵
ترانۂ مسرت	سر غلام بھیک نیرنگ ، ۸
قضائے بر شگال اور پروفیسر اقبال	منشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی ، ۱۰
ہدیۂ اقبال	مولانا محمد اسماعیل مغموم ، ۱۳
اقبال	صوفی غلام مصطفٰی تبسم ، ۱۷
اقبال	ابوالعلا چشتی (حاجی لق لق)، ۱۹
پیام اقبال	محمد دین تاثیر ، ۲۱
اقبال	فیض احمد فیض ، ۲۳
اقبال	فیض احمد فیض ، ۲۵
نظم	حفیظ ہوشیار پوری ، ۲۷

اقبال کی یاد میں	حفیظ ہوشیار پوری ، ۲۹
شاعر مشرق کے مزار پر	جگن ناتھ آزاد ، ۳۰
اقبال	تلوک چند محروم ، ۳۱
اقبال	رئیس امروہوی ، ۳۳
خطاب بہ شاعر مشرق	پروفیسر محی الدین خلوت ، ۳۵
قلندر	عبدالحمید عدم ، ۳۶
بخدمت اقبال	احمد ندیم قاسمی ، ۳۸
اقبال	جاں نثار اختر ، ۴۰
اقبال سے	قیوم نظر ، ۴۲
اقبال	خواجہ دل محمد ایم - اے ، ۴۴
اقبال	یوسف ظفر ، ۴۶
اقبال	سراج الدین ظفر ، ۴۷
اقبال	مجید ملک ، ۴۹
شاعر مشرق	فارغ بخاری ، ۵۱
اقبال	جعفر طاہر ، ۵۴
آہ شاعرِ مشرق	ضمیر جعفری ، ۵۹
اقبال	شیر افضل جعفری ، ۶۲
اقبال	عبدالکریم ثمر ، ۶۴
اقبال کے حضور	خاطر غزنوی ، ۶۶
اقبال	عبدالعزیز خالد ، ۶۷

اقبال	ماہر القادری ، ۷۰
درویش بے گلیم	شورش کاشمیری ، ۷۲
اقبال	شورش کاشمیری ، ۷۴
شاعری میں جس نے دہرایا پیام مصطفیٰ	بھگوان داس بھگوان ، ۷۶
بزم سخن پیکر ترا	راغب مراد آبادی ، ۷۸
بحضرت اقبال	مولانا کوثر نیازی ، ۷۹
شعاعِ نور	عبدالمجید بھٹی ، ۸۱
اقبال	وقار انبالوی ، ۸۲
علامہ اقبال	جمیل ملک ، ۸۴
اقبال	اقبال صفی پوری ، ۸۶
اقبال	کاشی پریاگی ، ۸۷
حضور اقبال	صہبا اختر ، ۸۹
اقبال	شرق بن شائق ، ۹۱
نوارا تلخ ترمی زن	محسن احسان ، ۹۲
آزادیٔ انساں کا پیمبر	جاذب قریشی ، ۹۷
اقبال	شیر محمد حمید ایم - اے ، ۹۹
ہمارا اقبال	الطاف پرواز ، ۱۰۱
اقبال	سکندر علی وجد ، ۱۰۳
اقبال	صاحبزادہ میکش ، ۱۰۵

اقبال — مخدوم محی الدین ، ۱۰۷

اقبال — علی اختر ، ۱۰۹

اقبال — پنڈت چاند نرائن ، ۱۱۲

نوائے تحسین

(ایران و عرب کا خراج عقیدت)

مرگ اقبال ، مرگ شعر بود — مرزا بیضا خان مروی ایرانی ، ۱۱۵

قطعہ — استاد نفیسی ، ۱۱۷

اقبال — ملک الشعرا بہار ، ۱۱۸

اقبال — ڈاکٹر عبدالوہاب عزام (مصر) ، ۱۱۹

شکوۂ نطق خموش

(ایک تاریخی سلسلۂ نظم)

علامہ عرشی ، ۱۲۳

علامہ اقبال کا جواب — علامہ اقبال ، ۱۲۵

محاکمۂ مولانا ظفر علی خان — مولانا ظفر علی خان ، ۱۲۶

حکیم طغرائی کا محاکمہ — حکیم طغرائی ، ۱۲۷

ن

اقبال کی وفات پر لکھی گئی نظمیں

تیرے بغیر	مولانا حسرت موہانی ، ۱۳۱
آہ اقبال	مولانا ظفر علی خاں ، ۱۳۲
ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال	چوہدری خوشی محمد ناظر ، ۱۳۳
نالہ عظامی خستہ حال در فراق	
حضرت مولانا سر محمد اقبال	مولانا عظامی ، ۱۳۵
اقبال بلند ہو گیا ہے	حفیظ جالندھری ، ۱۴۳
مردِ قلندر	پروفیسر آل احمد سرور ، ۱۴۵
امت کا شب چراغ	مخدوم محی الدین ، ۱۴۸
زندہ جاوید اقبال	تلوک چند محروم ، ۱۴۹
ماتم اقبال	رضا علی وحشت کلکتوی ، ۱۵۰
طائرِ طوبیٰ	مولانا محمد مبین کیفی
	چڑیا کوٹی ، ۱۵۱
ماتم اقبال	جگن ناتھ آزاد ، ۱۵۹
نالۂ پابندِ نے	حفیظ ہوشیار پوری ، ۱۶۲
آہ اقبال	حفیظ ہوشیار پوری ، ۱۶۷
پیغمبر دین خودی	حفیظ ہوشیار پوری ، ۱۶۸
اقبال	حکیم گلچیں نظامی ، ۱۷۰
اقبال	شاد عارفی ، ۱۷۲
آہ اے اقبال	احسان دانش ، ۱۷۳

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال	احمد ندیم قاسمی ، ۱۷٦
غم اقبال	اسد ملتانی ، ۱۸۱
اقبال	سراج الدین ظفر ، ۱۸۲
اقبال	فارغ بخاری ، ۱۸۴
اقبال	تصدق حسین خالد ، ۱۸٦
اقبال	مجید لاہوری ، ۱۸۸
آہنگ فنا	رضا ہمدانی ، ۱۸۹
حضرت اقبال کا مزار	مرتضیٰ احمد خاں میکش، ۱۹۱
وصال اقبال	ابو نعیم عبدالحکیم خاں نشتر جالندھری ، ۱۹۳
عقیدت کے آنسو	خدا بخش اظہر امرتسری ، ۱۹۴
مرثیہ	اکبر لاہوری ، ۱۹۷
نذر اقبال	نخشب جارچوی ، ۱۹۹
غم اقبال	پنا لال ششدر ، ۲۰۱
علامہ اقبال کی یاد میں	مخمور جالندھری ، ۲۰۲
علامہ اقبال	مولانا محمد بخش مسلم ، ۲۰۴
موت العالم موت العالم	مولانا یوسف سلیم چشتی، ۲۰٦
نوحہ اقبال	مخدوم محمد اجمل ، ۲۰۷
ہوگیا ہے ترجمان ملت بیضا خموش	حاجی غلام نظام الدین ، ۲۰۸

آہ اقبال — نواب احمد یار خاں دولتانہ ، ۲۱۰

نوحۂ غم — خلیق قریشی ، ۲۱۱

اقبال — مرزا جلال الدین ، ۲۱۳

مرقد اقبال — محمد اشرف عطا ، ۲۱۴

شاعر مشرق — صاحبزادہ میکش ، ۲۱۶

آہ سر محمد اقبال مرحوم — ملک عبدالحمید ، حمید لاہوری ، ۲۱۸

آہ علامہ سر اقبال — زیب عثمانیہ ، ۲۲۳

پیام اقبال — سکندر علی وجد ، ۲۲۴

محمد اقبال — حامد علی خاں ، ۲۲۶

آہ سر اقبال — بزمی انصاری ، ۲۲۷

غم اقبال — یحییٰ اعظمی ، ۲۲۹

نوحہ اقبال — ملک منظور حسین منظور ، ۲۳۱

اشک خونیں — نوشابہ خاتون ، ۲۳۳

یاد اقبال — اثر چکوالی ، ۲۳۵

آہ اقبال — عبدالقیوم باقی ، ۲۳۶

اقبال کی روح سے خطاب — مقبول رشیدی ، ۲۳۸

اللہ والا فلسفی — علی منظور حیدر آبادی ، ۲۳۹

کہا ہاتف نے

قطعات تاریخ :

سیماب اکبر آبادی ، ۲۴۵
حفیظ ہوشیار پوری ، ۲۴۶
عبدالمجید ازل ، ۲۵۲
مولانا غلام دستگیر نامی، ۲۵۳
منشی محمد دین فوق ، ۲۵۵
خواجہ دل محمد ، ۲۵۶
مولانا محمد احسن مارہروی، ۲۵۷
ابوالعلا چشتی ، ۲۵۸
حامد حسن قادری ، ۲۵۹
سید ہاشمی فرید آبادی ، ۲۶۵
ڈاکٹر سید عابد حسین ، ۲۶۷
شفق رضوی عماد پوری ، ۲۶۸
محمد خاں نیر خورجوی ، ۲۷۰

مرثیہ اقبال

اسد ملتانی ۲۷۲

تعلیقات

بعض نظموں کے پس منظر اور توضیحات ۲۸۷

مآخذ : ۳۰۱

اے کہ دنیائے سخن میں تری تمثال نہیں

اقبال

حضرتِ اقبال میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں
قوم کی نظریں جو ان کے طرز کی شیدا ہوئیں

اس کی شاہد ہیں کہ ان کے والدین ابرار تھے
با خدا تھے، اہلِ دل تھے، صاحبِ اسرار تھے

نذرِ عقیدت

درسِ ماضی از کتابِ حال گیر
ساغر از خمخانهٔ اقبال گیر

حضرتِ اقبال ، آن بالغ نظر
دارد از بود و نبودِ ما خبر

ما به ذوقِ سوختن کم ساختیم
بے خودی را از خودی نشناختیم

آن نوا پردازِ اسرارِ ازل
شهسوارِ عرصهٔ علم و عمل

بے خودی را در خودی منزل شناس
در غبارِ کاروان محمل شناس

از نوائش بزمِ یورپ در خروش
حکمتِ امریکه او را سفته گوش

ناله‌هائے آتشینِ آن حکیم
سوخت رختِ فتنهٔ امید و بیم

ساخت با دلها و بودش هیچ نیست
سوخت دل‌ها را و دودش هیچ نیست

*

اقبال

تجھ پہ اے لاہور! نازل ہوں خدا کی رحمتیں
اے کہ تو اقبال کی دولت سے مالا مال ہے

ہم نے مانا تو نہیں مسحورِ تہذیبِ فرنگ
تجھ میں سب کچھ ہے اگر اسلام اور اقبال ہے

اقبال چیست

اے بزرگان و عزیزانِ وطن
اے ادا فہمانِ ہر نو و کہن

من چه گویم ، حضرتِ اقبال چیست
قال را هرگز خبر از حال نیست

ذرۀ را چه خبر از آفتاب
قعرِ دریا را نه دریا به حباب

ار بگوید لاهی از اللّٰهی
بے خبر آرد خبر ز آگهی

ناقص از کامل اگر گوید سخن
مدح گر باشد بود ذم جانِ من

لیکن این بشنیده ام ز اهلِ کمال
در حقِ اقبال اے نیکو خصال

کان مریدِ مولویِ روم بود
آن حکیمِ امتِ مرحوم بود

بود آن محرم ز اسرارِ قدم
کان سبق میخواند از لوح و قلم

مردِ حق آگاه و هم دانائے راز
هم حقیقت آشنا اندر مجاز

در دلش بودے مقامِ مصطفیٰ
آبروے او ز نامِ مصطفیٰ

سرمهٔ چشمانِ او خاکِ حجاز
روحِ او مستِ مئے پاکِ حجاز

عشقِ او با خواجهٔ لولاک بود
در غمِ است دلش صد چاک بود

عشقِ احمدؐ را دلش دیوانهٔ
بر چراغِ مصطفیٰ پروانهٔ

نبضِ امت را شناسنده طبیب
چاره سازِ ملتِ حرمان نصیب

سینه اش گنجینهٔ اسرارِ حق
قلبِ او آئینهٔ انوارِ حق

آن ز خود آگاه و مردِ راه بود
در خودی از بےخودی آگاه بود

کاروانِ قوم را بانگِ درا
گمرهان را سوے منزل رهنما

نالههائش جهدِ ما ضربِ کلیم
برقِ باطل سوز آهِ آن حکیم

پادشاهے بود تختش بوریا
بلکه شاهان هر درش ادنٰی گدا

در لباسِ خسروی درویش بود
دیدهاش بیدار و حقاندیش بود

هیبتِ فقرش نگر شاهنشهان
لرزه بر اندام بودندے ازان

جذبهٔ پنهانِ آن طوبٰی مقام
از نگه می کرد ناقص را تمام

مرغِ فکرش را بسدره آشیان
می پرید ادراکِ آن تا لامکان

حرف حرفش را فصاحت سفته گوش
لفظ لفظش را بلاغت سر فروش

اے عطاسی مدحتِ اقبال را
تو ندانی کوته کن این قال را

ترانۂ مسرت

فصلِ بہار آئی ہے گلشنِ سخن میں
اک جشن ہو رہا ہے مرغانِ نغمہ زن میں

وہ مژدۂ مسرت لائی صبا چمن میں
پھولے نہیں سماتے پھول اپنے پیرہن میں

گلشن کے سبز پوشو جھٹ پٹ سنگار کر لو
عطرِ عروس مل دو پھولوں کے پیرہن میں

ہاں سوہنی ادا سے سنبل کی کنگھی چوٹی
نرگس لگائے سرمہ چشمانِ سحر و فن میں

غنچوں کو حکم دے دو، دیں دادِ کجکلاہی
تیکھی ادائیں نکلیں، نسرین و نسترن میں

ہر غنچہ مسکرائے، ہر پھول کھلکھلائے
ہر برگ لہلہائے رونق رہے چمن میں

ہو اہتمام ایسا آرائشِ چمن کا
باقی رہے دقیقہ کوئی نہ بانکپن کا

سروِ سہی سے کہہ دو ناچے ذرا لبِ جو
قمری ترانہ گائے جلسہ اڑے چمن میں

یورپ کی سیر کرکے اقبال واپس آئے
خوشیاں منائیں مل کر اہلِ وطن ، وطن میں

ہے آمدِ مسرت اقبال تیری آمد
خوشیاں ہیں اہلِ دل میں عیدیں ہیں اہلِ فن میں

سر آنکھوں پر بٹھایا یورپ میں تجھ کو سب نے
غربت میں بھی رہا تو گویا سدا وطن میں

پھر تیرے دم سے ہوں گے تازہ سخن کے چرچے
پھر رونقیں رہیں گی یاروں کی انجمن میں

فضائے برشگال اور پروفیسر اقبال

اٹھا وہ جھوم کے ساقی ، چمن میں ابرِ بہار
چٹک رہے ہیں شگوفے ، برس رہی ہے پھوار

سہی قدوں کا ہے جمگھٹ کنارِ آبِ رواں
کہ برج میں لبِ جمنا ہے گوپیوں کی قطار

ترانہ ریز ہے یوں شاخِ سرو پر قمری
کہ جیسے گاتی ہو مدھ بن میں کوئی سندر نار

کلی کلی نے نکالا ہے روپ یوں جیسے
کسی کے سینے پہ کم کم شباب کا ہو ابھار

حنائی پنجہ ہے یوں شاخ شاخ لالہ و گل
نئی دلہن کی ہوں جیسے ہتھیلیاں گلنار

ہے موتیوں کی لڑی ، یا قطار بگلوں کی
ہوا میں اڑتے ہیں جگنو ، کہ چھوٹتے ہیں انار

عجب نشاط ہے ، بادہ کشو ، چلو تو سہی
پیامِ عیش ہے لایا ، چمن میں ابرِ بہار

پلا شراب کہ ہیں مغتنم یہ دن ساقی
کہاں یہ سبزہ و گل، پھر کہاں یہ صحبتِ یار

بہار آئی شگفتہ ہوئے گلِ پنجاب
چہک چہک کدھر تو ہے بلبلِ پنجاب

ترانۂ لبِ شیریں نوا کے دن آئے
غزل سرا ہو کہ تیری صدا کے دن آئے

عروسِ نظم نے کاجل لگایا آنکھوں میں
فسونِ عشوہ و ناز و ادا کے دن آئے

ادھر بھی کوئی ایاغ مئے سخن ساقی
اٹھے وہ جھوم کے بادل ، گھٹا کے دن آئے

شباب جوش پہ آیا پری جمالوں کا
بڑھی نگاہ میں تمکیں ، حیا کے دن آئے

بتوں نے ہاتھوں میں مہندی لگائی ساون کی
شہید چونک اٹھے ، خوں بہا کے دن آئے

نسیم چوم کے کہتی ہے منہ شگوفوں کے
مئے نشاطِ تبسم فزا کے دن آئے

چلو ، شراب کی بوتل کوئی بھرا لائیں
سرور ، دعوتِ آب و ہوا کے دن آئے

ترانہ سنج ہو، او، بلبلِ ریاضِ سخن
کہاں ہے تو کہ چمن میں فضا کے دن آئے

ترے بغیر ہیں مرغانِ نغمہ زن خاموش
ترے بغیر ہے یاروں کی انجمن خاموش

ہدیۂ اقبال

آتی ہے صدا دیر و حرم دشت و جبل سے
انساں کو فضیلت جو ملی علم و عمل سے
یہ شے کبھی حاصل نہ ہو اربابِ دول سے
ملتی نہیں یہ قیصر و کسریٰ کے محل سے

آباد یہ دنیا ہے ادیبوں کے قدم سے
پھیلی یہ ضیا علم کی ہے ان ہی کے دم سے

جو فضل و کمالات کے معدن تھے جہاں میں
تسخیر کیا ملکِ معانی کو بیاں میں
وسعت تھی خیالات میں، تاثیر زباں میں
کرتے تھے عیاں قوم کا غم آہ و فغاں میں

کیا کیا نہ لٹاتے تھے گہر علم و ادب سے
یہ صبح نمودار ہوئی ظلمتِ شب سے

وہ مہر کی صورت ہوئے عالم میں نمودار
جو پیکرِ خوبی تھے ، جو تھے گوہرِ شہوار
علامہ نذیر احمد و حالی تھے گہر بار
اور اکبر و آزاد و شرر ، شبلی و سرشار

تابندہ و گردونِ فضیلت کے تھے خورشید
دم ان کا غنیمت تھا ، وہ ہیں زندۂ جاوید

روپوش ہوئے بزمِ جہاں سے وہ خوش احوال
صورت کوئی ان کی نظر آتی نہیں فی الحال
راہی وہ ہوئے چھوڑ گئے خوبیِ اعمال
رخشندہ مگر صفحۂ ہستی پہ ہے اقبال

محروم کبھی فیض سے اس کے کوئی کب ہے
عالم کی ضیا ، کانِ ہنر ، شانِ ادب ہے

سینہ جو ہے اقبال کا اک گنجِ نہاں ہے
اور کاشفِ اسرار و معارف یہ زباں ہے
افزوں ہے مزہ قند سے وہ لطفِ زباں ہے
شائستہ و سنجیدہ بہم طبع رواں ہے

قرآن سے ہم آغوش تو سائنس سے قربت
ازبر ہے اسے فلسفہ و حکمت و ہیئت

دریائے معانی کا جو گوہر ہے تو اقبال
اور بحرِ حقیقت کا شناور ہے تو اقبال
اسرارِ حقائق کا جو دفتر ہے تو اقبال
اور جادۂ عرفان کا رہبر ہے تو اقبال

شائق ہے یہ گنجینۂ عرفاں کی طلب کا
یہ قافلہ سالار ہے اربابِ ادب کا

خدمت جو ادا اس سے ہوئی علم و ادب کی
چرچا ہوا عالم میں اٹھی لہر طرب کی
مفتاحِ زباں کلک میں طاقت ہے غضب کی
امید نہ مایوس ہوئی اہلِ طلب کی

حاصل ہو اگر ذوق تو کیوں کر کوئی ترسے
بھر لیتے ہیں دامن کو زر و لعل و گہر سے

ہر نکتہ ہے ہر لفظ ہے اس کا سبق آموز
مصروف رہا خدمتِ قومی میں شب و روز
غم خوار یہ ملت کا ہے دل میں طپش و سوز
یہ راہنما خلق کا ہے اور خسروِ افروز

تحریر سے اس کی ہے عیاں خوبیِ تقدیر
جو بات یہ کہتا ہے حقائق کی ہے تفسیر

یہ انجمنِ علم کی ہے شمعِ منور
لاثانی ہے حکمت میں تو بے مثل سخنور
دم فلسفیوں کا ہے سخندانوں کا افسر
مفتوح ہوئے جس سے کمالات کے کشور

اس رتبے کا شاید ہی کوئی اور ہو پیدا
اب قدر کرے قوم ، یہ ہے قوم کا شیدا

یا رب یہ حوادث سے جہاں کے ہو سلامت
افزوں ہو حیات اور ہو دارین میں عزت
غم قوم کا کھاتا ہے تو ہو غم میں بھی لذت
آرام ملے سوز میں اور درد میں راحت

کیوں کر نہ محبت رہے اقبال کی دائم
ادنٰی سا ہے مغموم بھی اک قوم کا خادم

اقبال

شب زدوں کو نویدِ سحر دے گیا

دورِ رفتہ کی صدیوں کے سائے تلے
جگمگاتی ہوئی عظمتیں ، سو گئیں

شانِ عہدِ کہن اک فسانہ بنی
یاد کی رفعتیں سرنگوں ہو گئیں

* * *

تو نے افسردہ راہوں کو چونکا دیا
تو نے خاکستروں سے شرارے چنے

زندگی قوم کی مشتِ خاشاک تھی
تو نے اس خاک سے بھی ستارے چنے

* * *

ان شراروں سے پھوٹی نوائے سخن
ان شراروں سے گیتوں کے شعلے اٹھے

ان ستاروں سے چمکی فضائے سخن
ان ستاروں سے پر نور نغمے اٹھے

* * *

ناتوانوں کو بخشیں توانائیاں
کم نگاہوں کو ذوقِ نظر دے گیا

گمرہوں کو دکھائی رہِ زندگی
شب زدوں کو نویدِ سحر دے گیا

اقبال

جلوهٔ بخش به تاریکیِ غم خانهٔ ما
روزی اقبال بکش زحمتِ کاشانهٔ ما

کوته دستیم و تو خمخانهٔ عرفان بر دوش
لبِ ما تشنه و خالی شده پیمانهٔ ما

سوے بغداد گر آئی و شرف می بخشی
تو چه دانی چه شود با دلِ دیوانهٔ ما

دعوتِ شوقِ جهالت به فلک برساند
رقصِ مستانهٔ ما نعرهٔ رندانهٔ ما

بهرِ نظارهٔ تو دیده بصد بیتابی ست
در تمناے تو رنگِ دلِ ما عنابی ست

تاجدارِ سخن اے شاهِ جهانِ معنی
روشن از جلوهٔ تو کون و مکانِ معنی

نامِ تو فلسفیان را سببِ عز و وقار
ذاتِ تو فخرِ همه نکته‌ورانِ معنی

مصحفِ رازِ حقیقت را ز تو تفسیرے
نطقِ تو کاشفِ اسرارِ نهانِ معنی

جذبهٔ بے خودیِ قوم ز سحرِ تو گریخت
دهنِ لفظِ خودی یافت زبانِ معنی

بهرِ تسکین و قرارِ دلِ ناشاد آئی
اے خوشا روز که در بلدهٔ بغداد آئی

پیامِ اقبال

شاعر

عقل کے پیچ و تاب میں غرق سفینۂ حیات
موت تو خیر موت تھی، آج حیات ہے ممات

سو گئے سب فسانہ گو، کھو گئے راہ، راہرو
رات کو دن نہ کر سکے، دن کو بنا دیا ہے رات

حسن کی بارگاہ میں، آنکھ ہے ناصبور ابھی
قلب ہے بے حضور ابھی، ذات ابھی ہے بے صفات

عشق نہیں ہوس سہی، نور نہیں تو آگ ہو
کچھ تو ہماہمی رہے، سست ہے نبضِ کائنات

اقبال

یہ جو نظر کے پاس ہے، یہ نہیں تیری کائنات
یہ جو خرد کا وہم ہے یہ نہیں حدِ ممکنات

آج کے غم کو بھول جا کل کی امید چھوڑ دے
تیرا زماں بھی بے ثبات، تیرا مکاں بھی بے ثبات

وصل ہے شوق کا زوال ، رہزنِ راہ منزلیں
تیرا مقام بے سکوں ، تیرا سفر تری حیات

راہ بھی راہبر بھی تو ، نقش بھی نقش گر بھی تو
تجھ سے شہودِ بینات تجھ سے وجودِ ممکنات

"شاخِ نہالِ سدرۂ ، خار و خسِ چمن مشو
منکرِ او اگر شدی ، منکرِ خویشتن مشو"

اقبال

زمانہ تھا کہ ہر فرد انتظارِ موت کرتا تھا
عمل کی آرزو باقی نہ تھی بازوے انساں میں

بساطِ دہر پر گویا سکوتِ مرگ طاری تھا
صدائے نوحہ خواں تک بھی نہ تھی اس بزمِ ویراں میں

رگِ مشرق میں خونِ زندگی تھم تھم کے چلتا تھا
خزاں کا رنگ تھا گلزارِ ملت کی بہاروں میں

فضا کی گود میں چپ تھے ستیز انگیز ہنگامے
شہیدوں کی صدائیں سو رہی تھیں کارزاروں میں

سنی واماندۂ منزل نے آوازِ درا آخر
ترے نغموں نے آخر توڑ ڈالا سحرِ خاموشی

مئے غفلت کے ماتے خوابِ دیرینہ سے جاگ اٹھے
خود آگاہی سے بدلی قلب و جاں کی خود فراموشی

"عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا"
فسردہ مشتِ خاکستر سے پھر لاکھوں شرر نکلے

زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے :
یہ خاکی زندہ تر ، پائندہ تر ، تابندہ تر نکلے

نمود و بود کے سب راز تو نے پھر سے بتلائے
ہر اک فطرت کو تو نے اُس کے امکانات جتلائے

ہر اک قطرے کو وسعت دے کے دریا کر دیا تو نے
ہر اک ذرے کو ہمدوشِ ثریا کردیا تو نے

فروغِ آرزو کی بستیاں آباد کر ڈالیں
زجاجِ زندگی کو آتشِ دوشیں سے بھر ڈالا

طلسمِ کن سے تیرا نغمۂ جاں سوز کیا کم ہے
کہ تو نے صد ہزار افسونیوں کو مرد کر ڈالا

اقبال

آیا ہمارے دیس میں اک خوشنوا فقیر
آیا اور اپنی دھن میں غزل خواں گزر گیا

سنسان راہیں خلق سے آباد ہو گئیں
ویران میکدوں کا نصیبہ سنور گیا

تھیں چند ہی نگاہیں جو اس تک پہنچ سکیں
پر اس کا گیت سب کے دلوں میں اتر گیا

اب دور جا چکا ہے وہ شاہِ گدا نما
اور پھر سے اپنے دیس کی راہیں اداس ہیں

چند اک کو یاد ہے کوئی اس کی ادائے خاص
دو اک نگاہیں چند عزیزوں کے پاس ہیں

پر اس کا گیت سب کے دلوں میں مقیم ہے
اور اس کی لَے سے سینکڑوں لذت شناس ہیں

اس گیت کے تمام محاسن ہیں لازوال
اس کا وفور، اس کا خروش، اس کا سوز و ساز

یہ گیت مثلِ شعلۂ جوالہ تند و تیز
اس کی لپک سے بادِ فنا کا جگر گداز

جیسے چراغ ، وحشتِ صرصر سے بے خبر
یا شمعِ بزم صبح کی آمد سے بے نیاز

نظم

سنائی اس طرح عہدِ کہن کی داستاں تو نے
کہ پیدا کر دیا اک تازہ و روشن جہاں تو نے

حرم میں جاگ اٹھا شیخِ حرم بھی خوابِ غفلت سے
بہ آہنگِ خودی جب بت کدے میں دی اذاں تو نے

صدا اٹھی ترے دل سے "حدی را تیز تر می خواں"
جو پایا مثلِ عرفی بارِ محمل کو گراں تو نے

تصور میں ترے زلفِ عروسِ نوبہار آئی
چمن میں جب کہیں اٹھتا ہوا دیکھا دھواں تو نے

بلندی کی طلب باقی پہنچ کر ہر بلندی پر
نگاہِ شوق کو پہنچا دیا جانے کہاں تو نے

جہاں دیکھو غمِ انساں غمِ جاناں پہ چھایا ہے
زبانِ عشق کو بخشا وہ اندازِ بیاں تو نے

گدازِ آرزو بخشا خرد کی خام‌کاری کو
عطا کی عقل کو عشق و محبت کی زباں تو نے

سکھایا عشق کو انداز جینے اور مرنے کا
بنایا زندگی کو برتر از سود و زیاں تو نے

فروغِ کہکشاں کو ناز ہے جن کی جبینوں پر
یہ تلقینِ خودی پیدا کیے وہ نوجواں تو نے

انھی کے زورِ بازو سے ہے اب گردش زمانے کی
بدل کر رکھ دیا آخر مزاجِ آسماں تو نے

اقبال کی یاد میں

وہ خلوت اور جلوت میں ہجومِ شوق کا عالم
جہاں دن رات لٹتی تھی متاعِ دیدۂ پر نم

جہاں سوزِ دروں کی آگ کا بس ایک مقصد تھا
تلاشِ جاوداں ، دائم طلب ، سعیِ عمل پیہم

جہاں افکار کا مرکز بلندی نوعِ انساں کی
جہاں کردار کا حاصل ، محبت فاتحِ عالم

کچھ اس انداز سے چھیڑی حدیثِ آرزو مندی
کہ پھر ٹوٹے دلوں میں ہو گیا ذوقِ یقیں محکم

جہانِ نو تراشا فکرِ رنگیں کار سے اس نے
کوئی دیکھے تو اس کی شوخیِ اندیشہ کا عالم

ابھی کانوں میں اک گونجی ہوئی آواز باقی ہے
ابھی زندہ ہے وہ راز آشنائے عظمتِ آدم

چمن بندِ بہارِ تازہ ہے خونِ جگر اس کا
سرِ خاکِ شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
"کہ خونش با نہالِ ملتِ ما سازگار آمد" (اقبال)

شاعرِ مشرق کے مزار پر

چھلک رہا ہے نگاہوں سے دل کا پیمانہ
یہی نیاز ہے میری ، یہی ہے نذرانہ

جو تو سنے تو مرا ہر نفس حقیقت ہے
وگرنہ میرا سخن بھی فسون و افسانہ

تری نوا کہ زمانے کا درد ہے اس میں
یہی حرم ہے مرا اور یہی ہے بت خانہ

سلام رومیِ عصرِ جدید تجھ پہ سلام
سلام محرمِ رازِ درونِ مے خانہ

جدید دور میں تیرے سوا کوئی نہ ملا
نظر ہو جس کی حکیمانہ ، بات رندانہ

ہے گرچہ ناز مجھے اپنی بت پرستی پر
مگر میں سوزِ حرم سے نہیں ہوں بیگانہ

بسی ہوئی ہے مرے دل میں پیرِ روم کی لے
نگاہ میں ہے غزالی کا دورِ پیمانہ

اقبال

کم تر ہے ، حکیمِ ہند اگر تجھ کو کہوں
یا لعلِ کلیمِ ہند اگر تجھ کو کہوں

اللہ سے ہم‌سخن ہوا تو اکثر
زیبا ہے کلیمِ ہند اگر تجھ کو کہوں

اونچا سب سے کہیں ترا مسلک تھا
اوجِ اہلِ یقیں ترا مسلک تھا

آتی ہے صدا بانگِ درا سے پیہم
حبِ وطن اولیں ترا مسلک تھا

روشن کیا خوب نامِ مشرق تو نے
کر دیا پر نور شامِ مشرق تو نے

اے شاعرِ بے مثال صدیوں کے بعد
مغرب کو دیا پیامِ مشرق تو نے

۲

نہیں ہوں جذبۂ صدق و یقیں سے ناواقف
کہ دل بشر کا نہ ہو زندگی سے بیگانہ

ہزار تاجوری کا لباس ہو تن پر
مگر جو دل کے ہوں تیور، وہ ہوں فقیرانہ

یہ راز میری نگاہوں پہ مدتوں سے ہے فاش
"کہ خود حرم ہے چراغِ حرم کا پروانہ"

میں آ رہا ہوں دیارِ مزارِ غالب سے
ترے مزار پہ لایا ہوں دل کا نذرانہ

مری خموش نگاہی، مری خموشیِ نطق
"اسی میں ہے مرے دل کا تمام افسانہ"

ضیائے طورِ معانی، بس اک لطیف جھلک
کہ مضطرب ہے مرا جذبۂ حکیمانہ

اک ارمغاں تجھے لفظوں میں پیش کرنا ہے
اگرچہ میرا ہر آنسو ہے درِ یک دانہ

اس ارمغانِ محبت کی ہو پذیرائی
کہ آج محفلِ احباب میں ہوں بیگانہ

چلا تھا کل جو سفر کے لیے بزعمِ خرد
مقامِ شوق میں گم ہو گیا وہ فرزانہ

اقبال

طبیبِ عشق ، مسیحائے اہلِ دل اقبال
کمالِ فخر ہے جس کا مقامِ درویشی

مسافرانِ خودی کو عطا کیے جس نے
چراغِ خودنگری و رہِ خوداندیشی

کمی کا اس کے مدارج میں احتمال ہو کیا
مراتبِ بشریت میں جس سے ہو بیشی

غضنفری و نہنگی پہ فائز اس کے سبب
وہ قوم جس کی روش گوسفندی و میشی

عروجِ فکر و تصور سے دب گئی جس کے
عدو کی بدنظری غیر کی بداندیشی

طبیبِ عشق کی خلوت میں کل ہوئی اے دوست
مریضِ عشق و محبت کی دفعتاً پیشی

مسیحِ دیدہ و دل سے یہ عرض کی میں نے
نہ اب وہ ذوقِ طلب ہے نہ دور اندیشی

طبیبِ عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

خطاب بہ شاعرِ مشرق

تری چشمِ بصیرت نے ترے افکار رنگیں نے
جہانِ نو تراشا اس غلام آبادِ عالم میں

نوائے تلخ تیری اک پیامِ آگہی لائی
فراواں تھا متاعِ درد تیری چشمِ پرنم میں

فروغِ عظمتِ آدم ہے تیرا مقصدِ اولیٰ
محبت فاتحِ عالم ترے کردار کا حاصل

عمل پیہم ، یقیں محکم ، طلب دائم ترا مسلک
فضائے بیکراں چرخِ حریت تری منزل

ابھی چشمِ تصور میں ہے تیری بزم آرائی
ابھی رونق ہے قائم کرسیِ گفتار سے تیری

نظر سے ہے نہاں لیکن تری آواز باقی ہے
ابھی روشن ہیں دل برقِ تجلی بار سے تیری

قلندر

قلندر غزل اپنی گاتا ہوا
پیامِ محبت سناتا ہوا

سفر کی صعوبت پہ ہنستا ہوا
حوادث کی قوت پہ ہنستا ہوا

زمانوں کو تبدیل کرتا ہوا
چٹانوں کو تحلیل کرتا ہوا

ازل کی طرح مسکراتا ہوا
ابد کی طرح لہلہاتا ہوا

دلوں میں امنگیں بساتا ہوا
ارادوں میں حدت رچاتا ہوا

سعادت کی راہیں دکھاتا ہوا
خودی کی سبیلیں لگاتا ہوا

جوانوں کو بیدار کرتا ہوا
غلاموں کو خوددار کرتا ہوا

حجابات کے حسن میں کھو گیا
ستاروں چناروں میں گم ہو گیا

مسافر تو دو پل کا مہمان ہے
یہی اس کی عظمت کی پہچان ہے

ٹھہرتے نہیں راہ میں تیز رو
کہ پڑتی ہے ماند ان کے جوہر کی ضو

قلندر گیا اس کی بولی گئی
گرہ راز کی پھر نہ کھولی گئی

دلوں میں مگر گونج ہے ساز کی
بڑی عمر ہوتی ہے آواز کی

لٹے جو بھی خورشید و مہتاب ہیں
قلندر کے دیکھے ہوئے خواب ہیں

*

بخدمتِ اقبال

جانتے ہیں جو سمجھتے ہیں ترے فن کی زباں
تو نے دی روح کے کعبے میں محبت کی اذاں

مجھ کو اکثر ترا ارشاد ہی یاد آتا ہے
عشق کی شانِ حمیت کا چھڑے ذکر جہاں

آخرِ کار سرِ منزلِ عرفاں پہنچی
تری چٹکی میں تھی جس ناقۂ دوراں کی عناں

چمک اٹھتی ہے بلندی پہ تری پیشانی
جب کبھی پھیلنے لگتا ہے نشیبوں میں دھواں

جیسے شاخوں کا نمو دھوپ میں گل بنتا ہے
خالقِ حسنِ بہاراں، ترا قلبِ سوزاں

جس قدر امتِ مسلم پہ کرم ہیں تیرے
اتنے ہی ملتِ آدم پہ ہیں تیرے احساں

عہدِ فردا میں جو تاریخ لکھی جائے گی
ترے شعروں سے چنے جائیں گے اس کے عنواں

رومی و سعدی و غالب میں تری گونج سی ہے
جیسے صدیاں تجھے پانے میں رہیں سرگرداں

مجھ کو دعویٰ ہے کہ اس دور کا شاعر ہوں مگر
شعر کہتا ہوں تو یاد آتا ہے تیرا فرماں

"بر کش آن نغمہ کہ سرمایۂ آب و گلِ تست
اے ز خودرفتہ ، تہی شو ز نوائے دگراں" (اقبال)

اقبال

آن مردے عارف روشن ضمیرے
صاحب حدیثے ، صاحب پیامے

آن محرمِ علم ، آن محرمِ عشق
حل کرد ، هر دو آتش به جامے

پرده ز روے عالم برافگند
وا بر نگاهش رازِ تمامے

فکرِ رسائش گردوں شکارے
مه در کمندے ، انجم به دامے

در عصرِ حاضر ، تازه کلیمے
آتش نوائے ، آتش کلامے

افروخت در دل شمعِ خودی را
روشن وجودے ، روشن مقامے

آن موجِ مضطر از نغمهٔ خویش
خود ساحلے را ، داده خرامے

خود کاروان را رفتار بخشد
آن بادسیرے آن برق‌گامے

او شاعری را پیغمبری کرد
بر وے سلامے از ما سلامے

*

اقبال سے

تری شاعری نغمۂ شش جہات
خودی کی، خدا کی، خدائی کی بات

چمک اٹھی اس سے رہِ زندگی
اسی سے اندھیرے نے کھائی ہے مات

یہیں فکرِ انساں کو انساں ملا
یہیں روزِ روشن بنی کالی رات

یہیں ہیں ستاروں سے آگے جہاں
اسی نے مٹا دی حدِ کائنات

یہیں حسن، حسنِ ازل بن گیا
یہیں عشق نے پائی رمزِ حیات

یہیں فکرِ رومی، یہیں ذکرِ شیخ
یہیں آ گئی روحِ شاخِ نبات

مسلماں ہوا ہے مسلماں یہیں
اجاگر یہیں مردِ مومن کی ذات

یہ سب کچھ اور اس سے بہت کچھ سوا
ترے شعر میں ڈھونڈ پاتے ہیں آج

سیاست سے کرتے ہیں اب زرگری
ترے شعر جو گنگناتے ہیں آج

خزانہ ہے ان کو ترا لفظ لفظ
ترا یوم یوں کب مناتے ہیں آج

ترا نام لے کر سرِ رزم و بزم
تری خاک بھی بیچ کھاتے ہیں آج

اقبال

شاہنشہِ اقلیمِ معانی اقبال
دانائے رموزِ آسمانی اقبال
احباب کو مرثیہ پہ اصرار ہے کیوں
رکھتا ہے حیاتِ جاودانی اقبال

گفتارِ حکیم ہے کلامِ اقبال
پیغامِ کلیم ہے پیامِ اقبال
سرمایۂ جوشِ زندگانی ہے یہی
گر دل میں ہو سوزِ ناتمامِ اقبال

پیغام پہ پیغام چلے آتے ہیں
انعام پہ انعام چلے آتے ہیں
بے تار کا سلسلہ تھا اللہ کے ساتھ
الہام پہ الہام چلے آتے ہیں

اقبال تھا آشفتۂ گیسوے حجاز
اقبال شہیدِ تیغِ ابروے حجاز

مرقد میں بھی انتظار باقی ہے اسے
ہونٹوں پہ تبسم اور منہ سوے حجاز

اقبال

تری خودی کے تصور میں کائناتِ وجود
تری طلب کا تخیل حیات کا غماز

ترے نفس کے بگولوں سے سرد بت خانے
تری حدی سے رواں کاروانِ راہِ حجاز

پیمبرانہ نظر کی حدود میں آئے
فسانہ ہائے حقیقت ، ترانہ ہائے مجاز

ترے جنوں سے خرد کو ملا بہانۂ زیست
تری نگاہ سے ٹوٹا طلسم خانۂ راز

ترے بلند عزائم ضمیرِ پاکستان
ترے کلام کی لے ہے نفیرِ پاکستان

اقبال

اقبال کہ مردِ رازجو تھا
اسرارِ ازل سے دوبدو تھا

ہر حرف تھا اس کا حرفِ جبریل
ہر نکتہ کمالِ جستجو تھا

دانائے ازل نظر تھی اس کی
آگاہِ جمالِ بے نمو تھا

خورشیدِ ہنر کا تھا اجالا
دنیائے عمل کی آبرو تھا

دل اس کا جلائے معرفت سے
آئینۂ وارداتِ ہو تھا

وحدت کی شراب سے لبالب
اس مردِ فقیر کا کدو تھا

گنجینۂ نادرات سے ہر
دامانِ خیال و جستجو تھا

آیا نہ فریبِ رنگ و بو میں
نقادِ جہانِ رنگ و بو تھا

تحقیقِ زمان و لامکاں میں
آپ اپنی خودی کے روبرو تھا

*

اقبال

اے لوا سنجِ ازل ، اے شاعرِ والا تبار
تیری خوش گوئی ہے رشکِ بلبل و دراج و سار

تیرے نغمے رقص کرتے ہیں فضائے دہر میں
تیری موسیقی پہ لہراتے ہیں نخل و برگ و بار

اس قدر گرمی ، یہاں تک درد ، اتنا سوز و ساز
اک جہاں تیری بدولت ہے خسِ آتش سوار

تیرا ہر اک لفظ ہے تفسیرِ رازِ زندگی
معنی و مفہوم میں جوں بحرِ ناپیدا کنار

خانۂ مزدور میں افلاس و نکبت کا اندھیر
عیش و عشرت سے منور محفلِ سرمایہ دار

سلطنت والوں کا استبداد و جورِ بے حساب
اور محکوموں کی غفلت باوجودِ حالِ زار

رندِ مے آشام کا وہ آخرِ شب انفعال
نخوت و کبر و غرورِ زاہدِ پرہیزگار

وہ سرِ بازار حسن و عشق کی رسوائیاں
جن کے نظارے سے جلتے ہیں دلِ عفت شعار

الغرض جو کچھ بھی ہوتا ہے تہہِ سقفِ کہن
تو نے چند الفاظ میں سب پر کیا ہے آشکار

شاعرِ مشرق

(علامہ اقبال کی یاد میں)

نازشِ شرق تھا تو ، شاعرِ بیباک تھا تو
قلبِ شوریدہ تھا تو ، دامنِ صد چاک تھا تو

کج ترے سر پہ تھی دارائیِ اورنگِ سخن
فخرِ اقلیمِ سخن ، صاحبِ ادراک تھا تو

بارگاہوں کی بلندی تھی ترے زیرِ قدم
ذرۂ خاک تھا ہم رتبۂ افلاک تھا تو

مدح گوئی تجھے آئی نہ قصیدہ خوانی
اہلِ دربار کی نظروں میں خطرناک تھا تو

خامہ آسودۂ توصیفِ فریدوں نہ ہوا
دامنِ عصمتِ مریمؑ کی طرح پاک تھا تو

شاعرِ شرق ترا معجزۂ فن ہے یہی
ذرۂ خاک کو گردوں سے ملایا تو نے

کتنے دم توڑتے جذبوں کو زبانیں دے کر
قطرۂ اشک میں طوفان اٹھایا تو نے

دے کے تعلیمِ خودی یاس‌زدہ لوگوں کو
زندگی کرنے کا انداز سکھایا تو نے

ہر طرف پھیلے تھے منحوس خزاں کے سائے
پیار سے روٹھی بہاروں کو منایا تو نے

دردِ دل اپنا زمانے کے لیے عام کیا
خونِ دل دے کے گلستاں کو سجایا تو نے

تیرے پیغام نے وہ درسِ خودآگاہی دیا
جس نے پیدا دلِ مردہ میں حرارت کی ہے

اسی باعث تو حریفِ رسن و دار رہا
تو نے مظلوموں کے طبقے کی حمایت کی ہے

تو نے جمہور کے غداروں کو للکارا ہے
تو نے قاتل سے الجھنے کی جسارت کی ہے

حاکمِ شہر تھا نالاں ترے نغموں سے
تو نے ہر دور میں اظہار کی جرأت کی ہے

تو نے انساں کے تراشے ہوئے بت توڑے ہیں
تو نے پتھر کے خداؤں سے بغاوت کی ہے

تیری بیباکی سے سب اہلِ دول نالاں تھے
تیری حق گوئی سے برہم تھا امیروں کا مزاج

تیرے افکار سے تھی دیر و حرم کو پرخاش
تیری بے رحمیِ اظہار سے سہمی تھی سماج

کہنہ ذہنوں کے صنم خانوں کو توڑا تو نے
تری ٹھوکر پہ تھے سب عظمت و جبروت کے تاج

تجھ کو نفرت تھی زر و سیم کے ایوانوں سے
طالبِ جاہ نہ تھا تیرا فقیرانہ مزاج

یہ قصیدہ نہیں اظہارِ حقیقت ہے فقط
ایک شاعر کی طرف سے ہے یہ شاعر کو خراج

اقبال

نشاطِ دیدہ و دل ہے شراب خانہ ترا
یہ دورِ نو ہے کہ دورِ مئے مغانہ ترا

فضائے ارض و سما ہے کہ صیدگاہ تری
خدائی کیا ہے ، خدا بن گیا نشانہ ترا

وہ تیری گرمیِ گفتار ہم نہیں بھولے
حضورِ حق میں وہ اندازِ والہانہ ترا

وہ تیرا شکوہ کہ سن کر خدا تڑپ اٹھا
وہ حرف ، حرفِ دلاویز و دلبرانہ ترا

اس آگ سے دلِ ایمانیاں ہوئے روشن
عجیب چیز ہے یہ عشقِ کافرانہ ترا

وہ برہمن کہ جو شرکِ خفی سے خالی ہے
کہاں یہ کہ نہیں نطق ہندوانہ ترا

یہ کفر و دیں کے جہاں میں ترا دلِ روشن
وہ بتکدہ کہ حرم ہو ، نگارخانہ ترا

* * *

شبِ فراق میں رہ رہ کے گریہ و زاری
نویدِ وصل پہ وہ شکرِ عاشقانہ ترا

وہ ترا پیکرِ خم گشتہ سربسر محراب
وہ بارگاہِ رسالت میں سر جھکانا ترا

وہ لا الٰہ کے دو حرف تیرے وردِ زباں
یہی نماز تری اور یہی دوگانہ ترا

وقارِ عشق ترا گریۂ سحرگاہی
نوائے سازِ حرم ، نالۂ شبانہ ترا

بلند بال ہے ، شاہینِ اوجِ فکر ہے تو
ملے تو کیسے ملے مجھ کو آشیانہ ترا

نظر نظر میں یہ خلقِ جدید کا عالم
یہ مرگ و زیست پہ رہ رہ کے مسکرانا ترا

تو شیرِ بیشہ ، فلاطوں ہے گوسفندِ قدیم
عمل جو ہو بھی تو کیوں کر ہو راہبانہ ترا

حیات جہدِ مسلسل ہے اور کچھ بھی نہیں
خوشا یہ درس ، یہ درسِ مجاہدانہ ترا

وہ تو کہ دیدۂ بینائے قوم جس کو کہیں
خوشا یہ فکر و طریقِ پیمبرانہ ترا

* * *

یہ سینہ تابیِ صدیق رض و ہیبتِ فاروق رض
یہ بوترابی و اسبابِ بوذرانہ ترا

دلِ کلیم ع و یقینِ خلیل ع و صدقِ حسین رض
یہ برگ و ساز یہ رختِ مسافرانہ ترا

تو رندِ مست مئے لا الٰہ تیری شراب
یہی غذا ہے یہی مے ہے آب و دانہ ترا

ہزار فلسفیوں سے جو راز حل نہ ہوا
وہ راز کھول گیا حرفِ محرمانہ ترا

یہ تیرا حسنِ بیاں تیرا آفریدہ ہے
دیارِ شعر میں بجتا ہے شادیانہ ترا

* * *

ترے کلام کا فیضِ مدام جاری ہے
بھرا بھرا ہے مگر لٹ کے بھی خزانہ ترا

سخن ترا نشتر کدہ ہے دل کے لیے
بنا ہے چارۂ دل قولِ ناصحانہ ترا

بہ فیضِ تربیتِ بھرتری ہری ، رومی
سخن بہ نظم و غزل بحرِ بیکرانہ ترا

غنی و بیدل و غالب سے تیرا یارانہ
زہے نظیری و عرفی سے دوستانہ ترا

* * *

نہ آج شیخ و ہمایون و میر و ناظر ہیں
کہاں وہ دوست گرامی سا اب یگانہ ترا

کہاں یہ طالعِ مسعود پھر ملے مسعود
کہاں و گوہرِ شہوار و شاہگانہ ترا

نہ آج سالک و تاثیر ہیں نہ حسرت ہے
سلوک جن سے رہا بسکہ دوستانہ ترا

* * *

بتا سنائے مجھے کون اب تری باتیں
نہیں کہ دیکھنے والا کوئی رہا نہ ترا

وہ شیرہ‌خانۂ کشمیر کی شراب کہاں
سنا کہ لٹ گیا ساقی ، شراب خانہ ترا

خدا دراز کرے عمر اپنے صوفی کی
یہ ایک شمع سناتی ہے جو فسانہ ترا

حضورِ حق سے جو فرصت ملے تو آ کر سن
یہ رند کرتے ہیں کیا ذکرِ غائبانہ ترا

نکل کے دیکھ تو اک بار شاہی مسجد سے
ہے مہر و مہ کی طرف کارواں روانہ ترا

ہمارے ناز اٹھاتے ہیں تاجدارِ جہاں
خوش آ گیا ہے طریقِ قلندرانہ ترا

ہے تیرے خواب کی تعبیر ارضِ پاکستان
یہ نقش تیرا ہے، یہ نقشِ جاودانہ ترا

* * *

ہمارا توسنِ اقبال ہے فلک پیما
ہمارے ہاتھ میں ہے آج تازیانہ ترا

یہ سیلِ نور، یہ طوفانِ رنگ و رقصِ بہار
لبِ حیات پہ آنے لگا ترانہ ترا

سلام! شاعرِ آفاق و شاعرِ ابدی
محیط سارے زمانوں پہ ہے زمانہ ترا

نکل کے جائے کہاں تیری بزم سے طاہر
یہ ایک سر جسے کافی ہے آستانہ ترا

آہ شاعرِ مشرق

بجلی سی ایک طور پہ لہرا کے چھپ گئی
آبِ لبِ فرات کو تڑپا کے چھپ گئی

یخ بستگانِ ہند کو گرما کے چھپ گئی
سینوں میں کتنے دل تھے کہ دھڑکا کے چھپ گئی

ہے قدسیوں میں تیرے مرنے کی آہ دھوم
روتی ہے تیرے واسطے اقبال روحِ روم

اقبال آہ شاعرِ بے باکِ ایشیا
روتی ہے تجھ کو آج تیری خاکِ ایشیا

ماتم کناں ہے آہ دلِ چاکِ ایشیا
گرمِ فغاں ہے سب خس و خاشاکِ ایشیا

شعلہ تھا اک بھڑک کے جو روپوش ہو گیا
لو آج سازِ روم بھی خاموش ہو گیا

سازِ عجم میں سوزِ حجازی تھا نغمہ ریز
گرما گئی دلوں کو یہ تیری نوائے تیز

ہر لفظ حشرساز تھا ہر لفظ حشرخیز
مردہ دلوں کو بخش دیا جذبۂ ستیز

گرما کے قلب زادۂ توحید کا لہو
جا زینتِ بہشت ہوا آہ آج تو

ہے نقش دل پہ شاعرِ مشرق کی بات بات
وہ زندگی کا فلسفہ وہ موت کے نکات

مجموعۂ صفات تھی اقبال تیری ذات
امت کی موت شاعرِ امت تری وفات

مرنا ترا نہیں ہے فقط شاعری کی موت
مرنا ہے ایک قوم کا اقبال تیری موت

"یزداں شکار" تیرے تخیل کی تھی کمند
ملت کے غم سے چور تھا تیرا ہر ایک بند

ہائے وہ تیرا فقر وہ "طبعِ خطر پسند"
نازاں ہے جس پہ خاکِ بخارا و سمرقند

مرنے سے تیرے سینۂ پنجاب چاک چاک
ہے بیقرار یثرب و بطحا کی خاکِ پاک

اقبال کائنات کے سینے کا "رازِ فاش"
مرنے سے اس کے سینۂ یزداں بھی پر خراش

اور قلبِ قومِ مسلمِ گریاں ہے پاش پاش
کچھ روز اس کی موت نہ آتی ضمیر کاش

یہ باغ اور پھولتا پھلتا تو خوب تھا
کچھ دن ابھی چراغ یہ جلتا تو خوب تھا

ہرچند اب زمیں پہ نہیں ہے ترا قیام
افلاک پر ہے شاعرِ مشرق کا اب قیام

محفوظ دل میں ہے مگر اقبال تیرا نام
کانوں میں گونجتا ہے ابھی تک ترا پیام

ہر شعر تیرا غیرتِ ناہید ہو گیا
اقبال مر کے زندۂ جاوید ہو گیا

*

اقبال

فکرِ منظوم کو اسلام کا عنوان کیا
تو نے اقبال مسلماں کو مسلمان کیا

مست و سرشار محبت کے ترانے دے کر
بزمِ تاریخ میں جمہور کو یک جان کیا

گنگ مٹی کو دیا بلبل عرفاں کا الاپ
بے زباں قوم کو نغمہ گرِ قرآن کیا

طرزِ فریاد کو بخشی دلِ زندہ کی بہار
مجمرِ آہ کو ملہار سے گلدان کیا

زہدِ بے روح کو تعلیم کیے عشق و خلوص
دیدۂ قلب کو انساں کا نگہبان کیا

نال دے دے کے دھڑکتے ہوئے ارمانوں کا
بسملِ ارض کو رقاصِ فلک شان کیا

راز افلاک کے برسا دیے انسانوں پر
ریت کے ذروں کو تاروں کا زباں دان کیا

پاک اقلیم کو ایام کا نعرہ دے کر
مسئلہ شیخ و برہمن کا بھی آسان کیا

*

اقبال

ابھر رہا ہے زمانے میں عظمتوں کا کمال
مری زباں پہ ہے پیغامِ حضرتِ اقبال

وہ فلسفی، وہ مدبر وہ نکتہ سنجِ کمال
اسے ملا ہے ازل سے پیمبرانہ جلال

اسی کے حسنِ تخیل کا شاہکار وطن
ضیائے صبحِ درخشاں، فروغِ شامِ جمال

وہی پیمبرِ گلشن وہی رسولِ چمن
کلی کلی پہ نمایاں اسی کا حسنِ خیال

اسی نے جادو جگائے ہیں کارزاروں میں
کلیمِ سرِّ خودی واقفِ عروج و زوال

اسی کے فکر و تخیل پہ ہے ضیا افشاں
عجم کا حسنِ مروت عرب کا سوزِ بلال

اسی کے سوز سے دراج بن گئے شاہیں
دیا غریب کو اس نے قلندرانہ جلال

اسی کے نغمۂ شیریں میں سوزِ عشقِ رسول ؐ
اسی کے اشکِ تمنا میں آتشِ سیال

مجھے یقیں ہے ثمر زندگی کی راہوں میں
بڑھے گا اور بھی رہوارِ حضرتِ اقبال

اقبال کے حضور

خرد نے تجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
جنوں نے بخشا تجھے جذبۂ صمیمانہ

تری اداؤں میں اک شان تھی ملوکانہ
ترے مزاج میں تھی تمکنت فقیرانہ

تری نوا میں تھیں ذوقِ خودی کی تنویریں
تری صدا میں تھا حسنِ طلب کلیمانہ

کمالِ فن ترا کچھ حرف و صوت ہی میں نہ تھا
نہاں تھا فکرِ رساں میں بھی اک پری خانہ

ترا پیام خودی تھا، خودی عروجِ صفات
ترے پیام سے ملت مگر ہے بیگانہ

تھی تیرے آئینۂ فکر میں جلائے وفا
تو جراتیں ترے اظہار کی تھیں رندانہ

تو برہمن تھا مگر تو نے توڑے لات و منات
میں غزنوی ہوں مگر میرا دل ہے بتخانہ

اقبال

اے خودی کے شاعرِ والا صفات
تجھ پہ آئینہ تھے اسرارِ حیات

سوز و سازِ آرزومندی سے تھی
روشن و پرمایہ تیری کائنات

محرمِ یکتائیِ درِّ یتیم
منکرِ دارائیِ لات و منات

تو نے درویشی کو دی شانِ کئی
تو نے ٹھکرائی خدائی کی زکات

تو نے کھولا اس طلسمِ راز کو
موت در پردہ ہے تجدیدِ حیات

اشک و آہ و ذکر و فکر و زمزمہ
یہ ہیں تیری زندگی کے واقعات

سال و سن کی ہے عبث بحث و جدل
اصل شے ہیں ذہن و دل کی واردات

بے ہمہ ہو آدمی یا با ہمہ
بے خودی ہو یا خودی اثباتِ ذات

بن گیا تھا جو سخن برگِ حشیش
ہے وہ تیرے لمس سے شاخِ نبات

تیرے شعری پیکروں کے سامنے
خم صنوبر قد بتانِ سومنات

ہے محال و ممتنع تیرا کلام
تو نے دکھلائے بیاں کے ممکنات

تو نے ناممکن کو ممکن کر دیا
یعنی دی اہلِ زباں کو شاہ مات

زندۂ جاوید ہے تیرا سخن
ہے زمانے کی طرح اس کو ثبات

تیری تمثیلیں سوادِ حرف میں
رات کے آنگن میں تاروں کی برات

تیری تشبیہیں پرت اندر پرت
عاملات و والدات و مرضعات

تیری پروازِ تخیل دیکھ کر
محوِ حیرت فاعلاتن فاعلات

تیرے اندازِ تکلم کی قتیل
غض الاطرافِ حسانِ ناعمات

ہے صریرِ خامہ آوازِ سروش
یہ خدا کا ہاتھ ہے یا تیرا ہات

حیطۂ ادراک میں آتے نہیں
تیرے ابعاد و مقامات و جہات

فکر و فن کا یہ مرقع دیکھ کر
ہم کو آیا اعتبارِ معجزات

خواب جو دیکھا تھا تو نے بن گیا
رفتہ رفتہ نقشۂ صبحِ نجات

بوئے عشق آتی ہے تیری قبر سے
ہے یہ کس کی تجھ پہ چشمِ التفات

لیتے رہنا خوابِ نوشیں کے مزے
سوتے رہنا حشر تک بعد از وفات

ساری امت گوش بر آواز ہے
یا بلالُ ! قُم فنادِ بالصلوٰۃ

اقبال

کارواں خواب میں تھا بانگِ درا سے پہلے
ساز میں سوز نہ تھا تیری نوا سے پہلے

اللہ اللہ ترا قافلۂ نطق و کلام
بالِ جبریل کے سائے میں ہوا گرمِ خرام

صرف مشرق نہیں مغرب کو بھی پیغام دیے
نگہ و فکر پہ اسرارِ خودی فاش کیے

تو کبھی شعلۂ رقصاں، کبھی رفتارِ نسیم
موجِ کوثر ترے اشعار کہیں ضربِ کلیم

اک نئی طرز نئے باب کا آغاز کیا
شکوہ اللہ کا اللہ سے بصد ناز کیا

حسن و الفت کے فسانوں میں ہوس شامل تھی
تو نے تقدیس عطا کی، انھیں عظمت بخشی

چہرۂ فکر و معانی کو نکھارا تو نے
زلفِ دوشیزۂ اردو کو سنوارا تو نے

تیرے شعروں میں کہیں معرکۂ بدر و حنین
کہیں ایمانِ براہیمؑ، کہیں عزمِ حسینؓ

اس لیے ہے تری ایک ایک مجھے بات قبول
تیرا سرمایۂ دانش تھا فقط عشقِ رسولؐ

تو کہ لندن کی بھی راتوں میں سحر خیز رہا
غیر ماحول میں خوددار و کم آمیز رہا

کس قدر خوفِ خدا سوزِ دروں جذبۂ حق
بھیگ جاتے تھے ترے اشک سے قرآں کے ورق

محفلِ رومی و عطار تھی مدت سے خموش
تیرے نغموں نے بنایا اسے ہنگامہ بدوش

علم و حکمت کے مسائل کو دیا شعر کا رنگ
کس نزاکت سے ہم آغوش کیے شیشہ و سنگ

فکرِ افسردہ کو پرواز عطا کی تونے
لبِ خاموش کو آواز عطا کی تونے

درویشِ بے گلیم

اک ابرِ نوبہار فضاؤں پہ چھا گیا
اقبال اس چمن کی رگوں میں سما گیا

دل کا خروش ، عشق کا شعلہ ، نظر کی آگ
اپنے قلم کی گرم نوا سے بڑھا گیا

اس کی صدا تھی صورِ سرافیل کا جواب
اس کا خروش ہر کہ و مہ کو جگا گیا

اقصائے چیں سے تا بہ سوادِ طرابلس
جلوہ گہِ حیات کے پردے اٹھا گیا

وہ چند ہیں ادب کی نواہائے تابدار
شعر و سخن کے نام سے موتی لٹا گیا

کشمیر کی بہشت کا درویشِ بے گلیم
بطحا کی وادیوں کے ترانے سنا گیا

رومی کے سوز و ساز کی دولت سے بہرہ یاب
فطرت کے پیچ و خم سے نقابیں اٹھا گیا

ضربِ کلیم اس کی نواؤں کا ماحصل
وہ یوں اٹھا کہ مشرق و مغرب پہ چھا گیا

ہر رہ نما کو منزلِ عرفاں کی دی خبر
ہر راہرو کو جادۂ ایماں بتا گیا

شورش مرے قلم کو دیا اذنِ انقلاب
اور خواجگانِ دہر سے لڑنا سکھا گیا

اقبال

یہ راز تیری نواؤں سے آشکارا ہے
کہ تو نے گیسوئے تاریخ کو سنوارا ہے

تری نوا سے حرم کے چراغ روشن ہیں
ترے قلم سے دلِ اہرمن دوپارا ہے

بلندتر ہے ہمالہ سے تیری فکرِ بلند
فرازِ مہر سے اونچا ترا ستارا ہے

ہمارے خوف سے رعشہ ہے قلبِ فردا میں
ہمیں نے چہرۂ امروز کو نکھارا ہے

ہمارے ہاتھ بڑھے ہیں کلاہِ قیصر تک
ہمارے پاؤں کی ٹھوکر میں فرِّ دارا ہے

ہر ایک معرکۂ امتحاں سے گزرے ہیں
ہر ایک ضربِ حوادث ہمیں گوارا ہے

ہماری قوتِ خیبر شکن کا جاہ و جلال
ہر اک حریف کے شیشے کو سنگِ خارا ہے

اس ایک راہ میں غلطاں ہیں خستگانِ وفا
اس ایک راہ میں ہر موج بھی کنارا ہے

ترے چمن کو شکایت ہے باغبانوں سے
کہوں ؟ تو میرے لیے دار کا اشارا ہے

حضور آپ کی تربت ہے مرجعِ ملت
حضور آپ کو اسلام نے پکارا ہے

شاعری میں جس نے دھرایا پیامِ مصطفیٰؐ

وہ مفکر ، وہ مجدد ، وہ سخنور ، خوش نوا
جس کا رمزِ شاعری ہے رمزِ احکامِ خدا

وہ مفسر دین کے احکام کا ، قرآن کا
شاعری میں جس نے دہرایا پیامِ مصطفیٰؐ

شعر کی معجزنما طاقت سے جس نے قوم کو
قوتِ فکر و عمل کا اک نیا مژدہ دیا

اس کا نغمہ لا الہٰ اس کا ترانہ حرفِ حق
قلب پر پھر نقش الا اللہ کا قائم کر دیا

شعر سے صیقل کیا جس نے ضمیرِ قوم کو
جوہرِ انسانیت کو خوب تاباں کر گیا

آہِ سوزاں سے یہ کس کی قوم زندہ ہو گئی
کون ہے وہ جس کا نغمہ بن گیا بانگِ درا

کس نے شعروں میں بھرا ہے سوزِ قلبِ مصطفیٰؐ
کس نے مظلوموں کو بخشا عزمِ شاہِ کربلا

کون ہے وہ جس کا نغمہ ، نغمۂ جبریل ہے
شعر جس کا بن گیا ہے شرحِ فرمانِ خدا

کون ہے وہ جس کا نغمہ صورِ اسرافیل ہے
شعر سے جس نے دلِ مردہ کو زندہ کر دیا

جس کے ہر ہر لفظ میں الہام جیسی شان ہے
شاہد اس کے شعرِ عالمگیر کا بھگوان ہے

راغب مراد آبادی

بزمِ سخن پیکر ترا

پردے رخِ حکمت سے اٹھائے تو نے
جلوے خرد افروز دکھائے تو نے
سرچشمۂ اقبال ہے تیرا پیغام
اسرارِ خودی ہمیں بتائے تو نے

* * *

تابندہ و پائندہ ہے پیغام ترا
ہر شعر ہے عکسِ رخِ الہام ترا
اے ساقیِ دانائے خمستانِ خودی
ہے روح و روانِ میکشاں نام ترا

* * *

اقلیمِ خودی و حق پسندی بخشید
شادیم کہ جنسِ عقل مندی بخشید
نازیم کہ آن شاعرِ مشرق اقبال
ما را ہمہ اوج و سربلندی بخشید

بحضرتِ اقبال

دلیلِ بے خبری ، تیرگیِ شب کا خیال
کہا یہ کس نے مسافر سے آفتاب نہ ڈھال

نہ فقرِ بوذر و سلماں ، نہ سوزِ قلبِ بلال
فقیہہ و واعظ و صوفی ہیں صرف قال ہی قال

وفورِ نشۂ طاقت میں جھومنے والو !
مری نظر میں ہیں تاریخ کے عروج و زوال

ہے قہقہوں کے تعاقب میں آنسوؤں کا جلوس
میں جانتا ہوں زمانے کی عشرتوں کا مآل

تری جھلک ہے کہ صہبائے تند و تیز کا جام
چلا میں ساقیِ مہوش ! مجھے سنبھال سنبھال

شعورِ عشق ہے ناپختگی کی منزل میں
دل و دماغ میں ہے امتیازِ ہجر و وصال

صنم پرست ہیں ، خنجر بکف تبر بر دوش
بتانِ عصرِ نوی میں جلال ہے نہ جمال

یہ آدمی تو نہیں آدمی کا لاشہ ہے
نہ حسنِ سیرت و کردار ہے نہ صدقِ مقال

نشانِ راہ سے اے دل نہ مطمئن ہو جا
اک اضطرابِ مسلسل ہے آرزوے کمال

فقیہہِ شہر کا ارشاد کچھ بھی ہو لیکن
مرے کلام کو کہتے ہیں لوگ سحرِ حلال

بمصطفیٰؐ برسانید خویش را کوثر
بگو سلامِ عقیدت بحضرتِ اقبال

شعاعِ نور

کاہشِ امروز میں گم ، فکرِ فردا سے پرے
میں رہینِ جبر تھا ، اور زندگی کے مرحلے

اک شعاعِ نور سے چمکی جو آشفتہ نظر
یک بیک بن کر لپک ، پہنچیں نگاہیں عرش پر

جوہرِ ذاتی نے پایا اس طرح ذوقِ نمود
لغزشِ پا کی جگہ قدموں میں تھی بزمِ شہود

بڑھ گیا منزل بہ منزل اس طرح عزمِ سفر
عشرتِ فردا بھی تھی اب طالبِ لطفِ نظر

عشق کی گرمی سے ہر لحظہ جواں تھی آرزو
بڑھ رہی تھی یوں خودی سے زندگی کی آبرو

پا گئی ترتیب آخر مجھ سے تفسیرِ حیات
میرے دم سے ہو گیا روشن ضمیرِ کائنات

اقبال

آیا تھا جذب و فکر کی محفل سنوارنے
روے وفا و رنگِ خودی کو نکھارنے

گلزارِ ہست و بود میں تو موجۂ نسیم
بھیجا خراج تیرے نفس کو بہار نے

مہکا گیا فضا کو ترا جذبِ رنگ و بو
تڑپا دیا قلوب کو تیری پکار نے

تو نے غمِ حیات کو شیریں بنا دیا
تجھ سے پناہ مانگی غمِ روزگار نے

اے پیکرِ خودی ترے عزمِ بلند سے
کھائی شکست گردشِ لیل و نہار نے

جھک کر غرورِ جاہ نے چومی تری رکاب
جھک کر تجھے سلام کیا اقتدار نے

اکسیر کر دیا مسِ خامِ عوام کو
پھونکا ہے سحر کیا تری مشتِ غبار نے

پیغامِ مرگِ خواجہ ترا نہجِ گفتگو
پایا سرور اس سے غریب الدیار نے

ہے فخر تیرا نام ، بقائے دوام کا
امرت لٹایا تیرے غمِ پائدار نے

تقدیرِ آبرو ہے ترا حرفِ آرزو
پایا قرار اس سے دلِ بیقرار نے

اقبال تیرے نام کی رکھے گا لاج کون ؟
اخلاف سے یہ پوچھا ہے تیرے وقار نے

جمیل ملک

علامہ اقبال

وطن کے شاعرِ بے باک ، گلفشاں مطرب
حیات اب بھی ترے گیت گنگناتی ہے
تری نوا میں ہے وہ حدتِ یقین و عمل
کہ جس سے عظمتِ انساں کو آنچ آتی ہے

* * *

وہ جس کی غالب و حالی نے ابتدا کی تھی
اسی پیام کو تو نے حیاتِ نو دے دی
سخن کی آگ کو جوشِ خودی سے دہکا کر
ادب پہ چھائی ہوئی ظلمتوں کو ضو دے دی

* * *

بدلتے وقت کی قدروں کو تو نے پہچانا
ستم شعار فرنگی کا سحر توڑ دیا
غلام قوم کا رشتہ بڑے خلوص کے ساتھ
نئے سماج نئی زندگی سے جوڑ دیا

* * *

تو آج ہم میں نہیں ہے مگر مفکرِ زیست
ترا خلوص ترا سوز مر نہیں سکتا
ہزار بادِ مخالف چلے مگر کوئی
تری پکار کو مغلوب کر نہیں سکتا

* * *

یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا تا بہ ابد
نیا جہاں نئے اقبال لے کے آئے گا
درازِ کارِ جہاں ہے ، طویل راہِ عمل
شعور ، چاند ستاروں کی تھاہ پائے گا

اقبال

چھیڑ کر سازِ خودی شاعرِ مشرق تو نے
خوابِ غفلت سے مسلمان کو بیدار کیا

نامِ نامی نہ ہو کیوں زندۂ جاوید ترا
عشق کو تو نے حریفِ رسن و دار کیا

تری گفتار میں اعجاز حکیمانہ تھا
قوم کو نازکشِ دولتِ کردار کیا

خدمتِ قوم کی لے اور بڑھا دی تو نے
جادۂ عظمتِ اقبال کو ہموار کیا

اقبال

سامری کیشوں کی نظروں میں تو جادوگر ہے تو
میں جو کہہ سکتا تو کہہ دیتا کہ پیغمبر ہے تو

حدِ توصیف و ثنا و مدح سے برتر ہے تو
بحرِ اسلام و صفا و صدق کا گوہر ہے تو

نورِ بیضاو دمِ عیسیٰ نثارِ ہر شرر
مستتر لاکھوں سمندر ہیں وہ خاکستر ہے تو

سرمدی نعرے ہیں وقفِ لذتِ رقص و سرود
پیکرِ وجدان کو اک عیسوی اشتر ہے تو

شکوہ تیرا ہے اگر میزانِ لب کی آبرو
تو جوابِ شکوہ میں جبریل کا ہمسر ہے تو

صاف اسرارِ خودی میں ہیں رموزِ بے خودی
خود نفیسی مشتری جس کا ہے وہ گوہر ہے تو

داغ اور حالی کی شاں ، سرسید و اکبر کی جاں
ان میں جو اوصاف تھے ان سب سے کچھ بڑھ کر ہے تو

ملک میں ہر دل پہ سکہ ہے تری تحریر کا
نطق پرور ہے زباں ساز و قواعد گر ہے تو

حضورِ اقبال

اے مرے اقبال و اقبالِ جہاں
اے طلوعِ آفتاب و ماہتاب

تیری ہمت کے ترانے بے شمار
تیری عظمت کے فسانے بے حساب

تو نے زنداں میں کیا عزمِ جہاد
تو نے ظلمت سے تراشے آفتاب

دوش و فردا تھے ترے قدموں کے ساتھ
تیرے ہاتھوں میں تھی لمحوں کی طناب

برق و باد و خاک تیری ہم نوا
باغ و راغ و دشت تیرے ہم رکاب

تجھ پہ تھا ہر رازِ فطرت منکشف
تجھ سے تھا ہر جلوۂ حق بے حجاب

تیرا لہجہ جیسے صوتِ سرمدی
تیرا نغمہ جیسے کوثر کی شراب

تو کبھی روحِ محمدؐ کے نثار
تو کبھی صدقے بنامِ بوتراب

عالمِ اسلام میں ممکن نہیں
تیرے نغماتِ حجازی کا جواب

تیرا نالہ خالقِ تیغ و سناں
تیرا نوحہ دشمنِ چنگ و رباب

ذہن تیرا شعلۂ تاریخ ساز
فکر تیری داستانِ انقلاب

اس سے بڑھ کر تیری عظمت کا ثبوت
اور کیا ہو اے مرے عالی جناب

ارضِ پاکستان کی صورت میں ہے
ایک تابندہ حقیقت تیرا خواب

تیرا ہی مصرع ترا حق ہے، کہ تو
نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

اقبال

خودی کا رنگ نئی زندگی میں بھرتے ہیں
ترے پیام کا ہم احترام کرتے ہیں

ترے خیال کی ہر صبح مسکراتی ہے
نئے خیال کی راہوں سے جب گزرتے ہیں

بلند ہوتی ہے جس لحظہ تیری بانگِ درا
ستارے رات کے دامن پہ رقص کرتے ہیں

ترا حسین تصور ترا شعورِ نظر
دلوں میں صورتِ شمعِ ازل اترتے ہیں

بجھی بجھی سی امنگوں کے ٹمٹماتے چراغ
ترے فیوض کی تنویر سے ابھرتے ہیں

جہاں بھی حکمت و دانش کا ذکر چھڑتا ہے
مسائلِ غمِ دوراں وہیں سنورتے ہیں

نوا را تلخ ترمی زن

(اقبال کے نام)

اے ساز حیات کے مغنی
تو نے سر دشت زندگانی

چھیڑا تھا جو زمزمہ، ہم اس کے
اب بھول چکے ہیں سب معانی

لہجے میں وہ کاٹ اب نہیں ہے
باتوں میں نہیں ہے وہ روانی

آنکھوں میں ہے کرب کا فسانہ
ہونٹوں پہ ہے درد کی کہانی

* * *

ہے ذہن میں اپنے تازہ اب بھی
آغاز سفر کا وہ ارادہ

وہ شام فراق کی مشقت
وہ گرد حیات کا لبادہ

وہ کوئے فرنگ کے خم و پیچ
وہ زہر، درونِ جامِ سادہ

کانٹوں سے اٹی ہوئی وہ راہیں
راہوں میں صلیبیں ایستادہ

* * *

آئی جو بہار ہم نے دیکھی
اک آگ محیط گلشنوں پر

اک زہر گھلا تھا بادلوں میں
اک قہر برستا تھا دلوں پر

ہر چہرہ تھا بے بسی کا مدفن
وہ مردہ دلی تھی دوستوں پر

ڈھانچوں کی تھی کھاد کھیتوں میں
جسموں کی شفق تھی پانیوں پر

* * *

ہم سایۂ شاخِ گل کے باوصف
آلام کی دھوپ میں کھڑے تھے

ساتھوں پہ تھی گردِ دشتِ فرقت
آنکھوں میں نگینے سے جڑے تھے

گو بارشِ تیرِ غم تھی پھر بھی
ہر گام پہ ظلم سے لڑے تھے

ہم دیکھ چکے یہ سب مصائب
ہم کاٹ چکے جو دن کڑے تھے

* * *

لیکن سرِ شہرِ آرزو بھی
ہے رنگِ رخِ وفا پریدہ

افسونِ جہاں ، گردِ صحرا
اظہارِ خیال ، کارِ چیدہ

ہر سنگِ ستم نشانۂ دل
ہر فردِ بشر ، زباں بریدہ

سوچیں تو ہے تیغ گردنوں پر
دیکھیں تو سلاخیں ، زیبِ دیدہ

* * *

ہم اہلِ قلم اب اپنے فن کا
کاندھوں پہ اٹھائے ہیں جنازہ

پاؤں میں ہیں بیڑیاں ستم کی
چہروں پہ سجا ہوا ہے غازہ

سنولا گئے پھول گلشنوں میں
کچھ ایسی چلی ہوائے تازہ

سینے میں گھٹی ہوئی ہیں سانسیں
یوں موجِ نسیم نے نوازا

* * *

کردار و عمل ہے یہ اب اپنا
خود اپنوں کی رہ میں خار بوئیں

چڑھتے ہوئے سورجوں کو پوجیں
اور ڈولتی کشتیاں ڈبوئیں

افکارِ خودی کی مے پلا کر
آغوشِ شہنشہی میں سوئیں

خود جس کا گلا دبا دیں شب کو
پھر صبح اسی کے غم میں روئیں

* * *

تو عشق کا درس دینے آیا
ہم لوگ ہوس پرست نکلے

پرویزی و خواجگی سجائے
ہم اپنے نشے میں مست نکلے

شاہیں ترا شاہ پارۂ ذہن
ہم مور و مگس سے پست نکلے

چندھیا گئیں روشنی سے آنکھیں
جب غیر سحر بدست نکلے

* * *

چلتی ہے ہوائے غم تو دل کو
ہوتا ہے گماں یہی مہک ہے

اٹھتا ہے اگر دھواں افق سے
کہتے ہیں کہ رقص میں دھنک ہے

قتالۂ شب کے ہاتھ میں اب
خورشید کے چہرے کی چمک ہے

پیغمبرِ شرق ، جو شکایت
تھی تجھ کو مجھے بھی آج تک ہے

آزادی انساں کا پیمبر

اقبال اجالوں کا درخشندہ منارہ
اقبال کی نظروں میں فضائے مہ و انجم
اقبال کے ہونٹوں پہ امیدوں کا تبسم
اقبال نئی صبح کی قسمت کا ستارہ
اقبال اجالوں کا درخشندہ منارہ

* * *

اقبال نوا سنج ہے تقدیس عمل کا
اقبال کے احساس میں پھولوں کی مہک ہے
اقبال کے نغمے ہیں کہ شعلوں کی لپک ہے
اقبال کی آواز ہے جاگی ہوئی دنیا
اقبال نوا سنج ہے تقدیس عمل کا

* * *

اقبال ہے ظالم کے لیے موت کا فرماں
جو ظلم کی طاقت سے شہنشاہ بنا ہو
جو وقت کے مغرور خداؤں کا خدا ہو
سلطانی جمہور ہے اقبال کا ایماں
اقبال ہے ظالم کے لیے موت کا فرماں

* * *

اقبال نے دیوار غلامی کو گرا دیا
جسموں کو ستم گاہ سے آزاد کیا ہے
روحوں کو نیا جذبۂ پرواز دیا ہے
اقبال نے سوئے ہوئے شاہیں کو جگایا
اقبال نے دیوار غلامی کو گرایا

* * *

اقبال ہے آزادیِ انساں کا پیمبر
آزادیِ انساں کے پرستار ہیں ہم لوگ
سورج کی طرح زیست کا اظہار ہیں ہم لوگ
ہم لوگ نہیں بت کدہ ظلم کے آذر
اقبال ہے آزادیِ انساں کا پیمبر
آزادیِ انساں کے پرستار ہیں ہم لوگ

شیر محمد حمید ایم - اے

اقبال

(۱)

تجھ سے آباد آرزو کا جہاں
زندگی بخشِ مدعا ہے تو

ترے نغموں میں سحر بیداری
مطرب قدس کی نوا ہے تو

تجھ سے فطرت صحیفۂ امید
عشق کی بزم کا دیا ہے تو

تو ہے دینِ خودی کا پیغمبر
مذہب عشق کا خدا ہے تو

(۲)

دیکھ کر تیرے فکر کی رفعت
حیرتی ہے فضائے لا محدود

تری حق بیں نگاہ کے آگے
اک ردائے حقیر چرخِ کبود

کعبۂ عشق کا ہے تو معمار
عقل کے سومنات کا محمود

تجھ پہ وا ہیں حیات کی راہیں
تیرا تسخیرِ مرگ ہے مقصود

ہمارا اقبال

یاد کیا آئی کہ آنسو آنکھ سے بہنے لگے
اک فسانہ آج پھر ہم برملا کہنے لگے

آج پھر ہر آرزو درد آفریں پاتے ہیں ہم
ہر غمِ گم گشتہ دل میں جاگزیں پاتے ہیں ہم

پھر وصالِ ہجر کو موضوع بن جانا پڑتا ہے
ہر رخِ تقدیر سے آنچل کو سرکانا پڑا

گرمیِ افکار سے پھر تپ اٹھے قلب و دماغ
جیسے گل ہونے سے پہلے چونک اٹھتے ہیں چراغ

آج پھر احساسِ غم سے آشنائی ہو گئی
آج پھر دل سے امیدوں کی جدائی ہو گئی

اک اداسی پھر گئے برسوں کی طرح چھا گئی
جاگتے ہی پھر عروسِ صبح کو نیند آ گئی

پردۂ ذہن و نظر پر پھر وہی تصویر ہے
پھر وہی اقبال کی یاد آج دامن گیر ہے

ہاں وہی اقبال رہبر قوم کے افکار کا
جس نے دیکھا ہے زمانہ نکبت و ادبار کا

ہاں وہی درویش حق آگاہ و مردِ بے خطر
ہار ہو جاتی تھی ہفت افلاک سے جس کی نظر

دامن یزداں رہا ہے جس کے ہاتھوں میں مدام
قدسیوں پر جس نے کھولا آدمیت کا مقام

جس نے بخشا نوجوانوں کو جنوں کا اعتماد
پیکرِ ملت میں جس نے پھونک دی روحِ بہار

ہاں وہی اقبال خود آگاہ و فطرت آشنا
جس نے مایوسی میں ہم کو دی نوید ارتقا

جس نے دیکھے انتہاے غم میں بھی شادی کے خواب
جس نے ہر ذرے کو سمجھایا طریق انقلاب

جس نے احساسِ خودی بخشا دمِ مزدور کو
دعوت تعمیر نو دی عالم مجبور کو

اقبال

مبارک ہو جہانِ شعر کی پیغمبری تجھ کو
ملی ہے شاعران خوش نوا کی سروری تجھ کو

دلوں میں احترام عشق پیدا کر دیا تو نے
سخن کو دم میں ہمدوشِ ثریا کر دیا تو نے

گراں خوابی ہوئی کافور تیری ضرب پیہم سے
ہوئی سرسبز کشتِ ملتِ بیضا تیرے دم سے

ترا ہر شعر دل کی سمت پورا وار ہے گویا
زبانِ پاک تیری تیغِ جوہر دار ہے گویا

ترے فیضِ نظر سے حریت کی بزم روشن ہے
تری ضربِ کلیمی سے کلاسی لرزہ براتن ہے

اشاروں میں دیا درسِ رموزِ بے خودی تو نے
فنا کو بڑھ کے دکھلایا چراغِ زندگی تو نے

ترا سازِ خودی جس دم حقیقت پاش ہوتا ہے
مثالِ صبح رازِ زندگانی فاش ہوتا ہے

خرد بیزار تھی آشفتگی کے آستانے سے
اسے تو راہ پر لایا جنوں کے تازیانے سے

کہاں ہوتے ہیں تجھ سے اہل دل ، اہل نظر پیدا
کیے تری نگاہوں نے ہزاروں دیدہ ور پیدا

جہاں میں نام پیدا کر لیا ہے ہم نشینوں نے
کئی خرمن بنا ڈالے ہیں ترے خوشہ چینوں نے

اسے کیا قحط سے ہو جس کی جانب چشم ساقی ہے
تجھے کیا غم ہے اے اردو ابھی اقبال باقی ہے

اقبال

سونے والوں کو پیامِ صبحِ نو دیتی ہوئی
خواب کی دنیا اٹھی، انگڑائیاں لیتی ہوئی

مطلعِ مشرق پہ چمکا آفتابِ شاعری
ہر کرن جس کی بنی تارِ ربابِ شاعری

دل پہ تھا جو داغِ غفلت، اس کو آہیں دھو گئیں
خونِ مشرق میں ہزاروں بجلیاں حل ہو گئیں

ضبط کے زخمِ نہاں، فریاد سے بھرنے لگے
یعنی بندے بھی خدا سے گفتگو کرنے لگے

عارض پر نور جھلکا، گیسوئے شب رنگ سے
جوئبارِ سازِ دل نکلی سکوتِ سنگ سے

اشکِ خونیں میں نظر آئی تبسم کی جھلک
نغمۂ بلبل بنی، خاموش پھولوں کی مہک

کارواں بڑھنے لگا تیزی سے منزل کی طرف
کائناتِ درد خود کھینچنے لگی دل کی طرف

دہر کے دھارے پہ طوفانی ہوا سہنے لگی
ناؤ مشرق کے کنارے کی طرف بہنے لگی

جاگ اٹھا مشرق ، دلِ اقبال کی دھڑکن گواہ
واہ کا محشر لیے آتی ہے جس کے لب پہ آہ

قلبِ شاعر سے صداقت لے کے نکلی شاعری
سچ کہا ہے : "شاعری جزویست از پیغمبری"

اقبال

اس اندھیرے میں یہ کون آتش نفس گانے لگا
جانب مشرق اجالا سا نظر آنے لگا

موت کی پرچھائیاں چھٹنے لگیں ، چھٹنے لگیں
ظلمتوں کی چادریں ہٹنے لگیں ، ہٹنے لگیں

اک شرارہ اڑتے اڑتے آسمانوں تک گیا
آسماں کے نور پیکر نوجوانوں تک گیا

عالمِ بالا پہ باہم مشورے ہونے لگے
آسمانوں پر زمیں کے تذکرے ہونے لگے

پھر اندھیرے میں وہی آتش نفس پایا گیا
زندگی کے موڑ پر گاتا ہوا پایا گیا

وہ نقیبِ زندگی شام و سحر گاتا گیا
کو بہ کو ، کوچہ بہ کوچہ در بہ در گاتا گیا

گیت سننے کے لیے خلق خدا آنے لگی
گردنوں کو جنبشیں دے کر یہ فرمانے لگی

نغمۂ جبریل ہے انسان کا گانا نہیں
صورِ اسرافیل ہے دنیا نے پہچانا نہیں

عرش کی منزل ہے اک آسمانی راگ ہے
راگ کیا ہے سر سے پا تک عشق کی اک آگ ہے

*

اقبال

شرف زیارتِ اقبال کا ملا مجھ کو
حریف ہوش و خرد تھا مرا یہ عالم خواب

وہی شگفتہ مزاجی وہی جمال ان کا
وہی نگاہ وہی دل پذیر طرزِ خطاب

کہا یہ میں نے کہ اے آشنائے سرِّ عمیق
تری نگاہ حقیقت شناس خوب و خراب

جو تو نے مطرب پاکیزہ لحن چھیڑی تھی
ہنوز زندہ ہے وہ سرمدی نوائے رباب

خزاں پرستیٔ اربابِ دہر کیا کہیے!
کھٹک رہا ہے نظر میں ترے چمن کا گلاب

کسی کو وہم کہ موضوع ہے ترا مذہب
ترا خیال ہے مسلم کے عہد رفتہ کا خواب

گماں کسی کو کہ تیری زباں ہے بے تاثیر
عروسِ فکر کے رخ سے ہٹا نہیں ہے نقاب

میں تیری فکر کا محرم سہی مگر دنیا
تجھی سے چاہتی ہے لکتہ چینیوں کا جواب

* * *

سنا یہ مجھ سے تو اقبال مسکرانے لگے
پھر اپنی خاص ادا میں مجھے دیا یہ پیام

یہ پیر مکتبِ نا آگہی کے حلقہ بگوش
سمجھ سکیں گے ابھی کیا میری خودی کا مقام

مجھے نقیب حرم کہہ رہے ہیں وہ ناداں
دماغ بتکدہ جن کے ، تصورات اقسام

مرے جہان کا ہر ذرہ عالمِ انوار
یہ آب و خاک میں سمجھے ہیں زندگی کا نظام

مقام نور و سرور و حضور کیا جانیں
یہ دانتے کے پرستار ، نیطشے کے غلام

وہ جلوہ پردۂ فاؤسٹ میں نہیں ملتا
دیا ہے عارفِ رومی نے جس کو منظرِ عام

مرا بیان ہے حقیقت کا ترجماں لیکن
مری زباں ہے نا آشنائے نطقِ عوام

حقیقتِ ابدی ہے تہِ نقاب ہنوز
تب ہی پڑے ہیں بہت دن سے ظرفِ بادہ و جام

مگر بساط الٹنے کو ہے زمانے کی
نئے نظام کی تمہید ہے کشاکشِ عام
فضائے دہر میں طوفاں کی آمد آمد ہے
کہ بطنِ موج میں تازہ ہوا ہے ذوقِ خرام

*

اقبال

شمعِ اقبال ترا میں بھی اک پروانہ ہوں
تو سراپا سوز ہے میں سوز کا دیوانہ ہوں

تو نے بخشا ہے مری ظلمت فگن فطرت کو نور
تو حقیقت کی ضیا باطل کا میں کاشانہ ہوں

مری کشتِ طبع ہے ممنون تیرے فیض کی
گلستاں جس کو کیا تو نے میں وہ ویرانہ ہوں

ساغرِ دل میرا جذبوں سے ترے لبریز ہے
جس سے مے تیری چھلکتی ہے میں وہ پیمانہ ہوں

گیسوے تخیل ہے میرا ابھی بکھرا ہوا
تو ہے شانہ اور میں منت پذیر شانہ ہوں

دل مگر اقبال ہے گنجینۂ قاروں ترا
ترے لیلائے سخن ہندوستاں مجنوں ترا

نوائے تحسین

مرگِ اقبال مرگِ شعر بود

رخت بربست تاجدارِ سخن
چون نہ ویران شود دیارِ سخن

حرف‌ہا شد سیاه‌پوش همہ
از غمِ مرگِ شهریارِ سخن

چرخ باشد عدوے اہلِ کمال
خاک بر فرقِ روزگارِ سخن

مرگِ اقبال مرگِ شعر بود
ہاں مزارش بود مزارِ سخن

ہست طاری سکوتِ مرگ بباغ
آه خاموش شد ہزارِ سخن

شعرِ اقبال نقدِ دارالضرب
پرسی از ما اگر عیارِ سخن

قلبِ اعدائے دیں بکرد دو نیم
خامہاش بود ذوالفقارِ سخن

گر سوارے نہ بود چوں رستم
کو چو اقبال شہسوارِ سخن

قدرداں رفت لطفِ شعر کجا
گشت بیضا خزاں بہار کجا

قطعه

بخاکِ ملکِ تو آمد غباری از ایران
کشای چشم و سر از خاک یک زمان بردار

ز خاکِ سعدی و فردوسی آمدم برخیز
پیامِ حافظ آورده‌ام بشو بیدار

بدستِ من گلی از بوستانِ مولاناست
بپای خیز که تا بر سرت کنیم نثار

هزار بار مرا آرزوئی دیدن بود
چه می شود که ببینم جمالِ تو یک بار

بجان و دل تو نفیسی ببوس خاکِ درش
که بود امید فراوان و آرزو بسیار

اقبال

بیدلی گر رفت اقبالی رسید
بیدلی را نوبتِ حالی رسید

قرنِ حاضر خاصهٔ اقبال گشت
واحدی کز صد هزاران برگذشت

شاعران گشتند جیشی تار و مار
وین مبارز کرد کارِ صد سوار

هیکلی گشت از سخن‌گوئی بپا
گفت کل الصید فی جوف الفرا

بان سلامی می‌فرستم سوی یار
بی ریا تر از نسیمِ نوبهار

اکٹر عبدالوہاب عزام (مصر)

اقبال

عربی یهدی لروضک زهرا
ذ افخار بروضة و اعتزاز

کلمات تضمنت کل معنی
من دیار الاسلام فی ایجاز

بلسان القرآن خطت ففیها
نفحات التنزیل والاعجاز

نا قبلزها علی ضآلة قدری
فهی فی الحق ''ارمغانِ حجاز''

شکوۂ نطقِ خموش

●

اے ترنم‌ہاے رنگینت گلستانِ سخن
معنیِ عیسیٰ دمت ، بخشندۀ جانِ سخن

اے حیاتِ تازه دادی نغمه را از نطقِ خویش
گشته‌ای شور افگنِ ارض و سما از نطقِ خویش

اے عروسِ طبع بر ما جلوه‌ہا پاشیده ای
در چمن‌زارِ تکلم تازه گل‌ہا چیده ای

شعله سوز اندوز از آتش‌نوائی‌ہاے تو
باده کیف‌آموز از تخئیلِ ذوق‌افزاے تو

بر فرازِ طارمِ اعلیٰ لوا افراختی
نردِ خود را در قمارِ جمعِ ما در باختی

یافت از تو مرکزے ہنگامۀ بے تابِ ما
ریختی تخمِ سکون در مزرعۀ سیمابِ ما

لیکن اے اقبال این رنگین‌نوائی تا بکے
از نفس گرمی و از دل شعله‌زائی تا بکے

اے توئی در آشیان و گلشنت برباد رفت
نغمهٔ ماندی و پروازِ تو با صیاد رفت

خیز و گلبانگِ دہل در گنبدِ خضرا فگن
از قبور آیند خلقے شورِ صورآسا فگن

خیز و صوتِ خود بہ آہنگِ رجز تبدیل کن
قطرهٔ داری بیاور در شرر تحلیل کن

خیز زین کنجِ متانت جلوهٔ بر ما فگن
ہان بیا ہمچون ثنائی گوے در میدان فگن

علامہ اقبال کا جواب

دانی کہ چیست شیوۂ مستانِ پختہ کار
عرشی گمان مدار کہ پیمانہام شکست

دارم ہنوز از کرمِ ساقیِ حجاز
آبے دروںتاب کہ خیزد ز سینہ مست

از شاخسارِ فطرتِ من می‌دمد ہنوز
آن لالۂ کہ موجِ نسیمے دلش نہ خست

لیکن شنیدہای کہ دمِ گردشِ شراب
پیرِ عجم چہ گفت برندانِ مے پرست

دانا کہ دید شعبدۂ چرخِ حقہباز
ہنگامہ بازچید و درِ گفتگو بہبست

محاکمۂ مولانا ظفر علی خاں

بندہ‌نواز ہم سے نہیں کچھ چھپی ہوئی
پیرِ فلک کی شعبدہ بازی کی بود و ہست

مانا کہ آسماں سے شمس و قمر کی فوج
پیہم اتر رہی ہے کہ ظلمت کو دے شکست

لیکن نہ قولِ سعدیِ شیراز بھولیے
چھوٹا نہیں جو ہاتھ سے سرِ رشتۂ الست

''رفتن بپائے مردیِ ہمسایہ در بہشت
حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است''

حکیم طغرائی کا محاکمہ

امروز در فضاے ''زمیندار'' دیدہ ام
ز اقبال پاسخے کہ دلِ آرزو بخست

نادیدہ خاطرم بخطابِ تو وارسید
نشنیدہ مدعاے تو در ذہنِ من نشست

خواہم کہ نکتۂ بہ سرایم درین خصوص
ہرچند غم نواے نشاطِ مرا شکست

عالم بصد ہزار زبان کنج خامشیست
شاعر در آن میانہ لبِ نطق پرور است

باشد براے دیدۂ بینا مقامِ حیف
گر کور و چاہ دید ، و صدائش نداد دست

گیرم کہ گنجِ فلسفہ و حکمت است کس
اما چہ سود مہرِ سکوت از لبش بہست

بہپذیر اعتذار ز طغرائیِ حزین
دانی کہ او ز بندِ الم ہیچ گہ نہ رست

نالۂ پابندِ نے

تیرے بغیر

عاشقی کا حوصلہ بیکار ہے تیرے بغیر
آرزو کی زندگی دشوار ہے تیرے بغیر

کاروبارِ شوق کی اب وہ تن آسانی کہاں
دل پہ ذوقِ شاعری اک بار ہے تیرے بغیر

شرکتِ بزمِ سخن سے بھی ہمیں باوصفِ عزم
بر بنائے بے دلی انکار ہے تیرے بغیر

جس فراغت کا تمنائی تھا میں تیرے لیے
اب وہ حاصل ہے تو اک آزار ہے تیرے بغیر

دردِ دل جو تھا کبھی وجہِ مباہات و شرف
بہرِ حسرت موجبِ صد عار ہے تیرے بغیر

آہ اقبال

گھر گھر یہی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنا
اسلام کے سر پر ہے قیامت کا گزرنا

کلکتہ و کابل میں بچھی ہے صفِ ماتم
اس غم میں سیہ پوش ہیں بغداد و سمرنا

تھا اس کے تخیل کا فسوں جس نے سکھایا
سو سال کے سوئے ہوئے جذبوں کا ابھرنا

ہر روز دیا اس نے مسلماں کو یہی درس
ہرگز نہ کسی سے بجز اللہ کے ڈرنا

ملت کو نئی زندگی اقبال نے بخشی
ممکن نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا

ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال

الوداع اقبال اے محبوبِ دوراں الوداع
الوداع اے قوم کے نجمِ درخشاں الوداع

الوداع اے بلبلِ خوش خوانِ گلزارِ وطن
الوداع اے باغِ ملت کے غزل خواں الوداع

اے ریاضِ خلد کے مرغِ خوش الحاں الوداع
درس گاہِ عشق کے تلمیذِ رحماں الوداع

الوداع اے غمگسارِ خاکسارانِ زمیں
الوداع اے رازدارِ چرخِ گرداں الوداع

الوداع اے محفلِ توحید کے چشم و چراغ
الوداع اسلام کے خورشیدِ رخشاں الوداع

الوداع اے ساربانِ ناقۂ بیت الحرام
اے حجازی کاروانوں کے حدی خواں الوداع

الوداع اے شمعِ فانوسِ شبستانِ وجود
الوداع اے جانِ پاک اے جسمِ بے جاں الوداع

آج نعش اقبال کی مسلم کے زیبِ دوش ہے
بزمِ ملت کی یہ شمعِ آخری خاموش ہے

ماتمِ اقبال میں ہم اس قدر رویا کریں
سال و ماہ و روز و شب صبح و مسا رویا کریں

اپنے بیگانے کے دل پر ہے تری فرقت کا داغ
آشنا رویا کریں ، نا آشنا رویا کریں

بلبلیں صحنِ چمن میں مرثیہ‌خوانی کریں
غنچہ و گل ، شبنم و بادِ صبا رویا کریں

یاد میں تیری نوائے روح‌پرور کی ، مدام
ہم‌سخن رویا کریں اور ہم‌نوا رویا کریں

مسجدوں میں متقی پڑھتے رہیں تجھ پر درود
خانقہ میں صوفیانِ با صفا رویا کریں

تیرے میخانے میں وہ جام و سبو باقی نہیں
تجھ کو مستانے ترے اے ساقیا رویا کریں

کنجِ مسجد میں شہیدِ قوم کی ہے خوابگاہ
سب نمازی اس پہ پڑھ کر فاتحہ رویا کریں

مصر و کنعاں آج جس کے غم میں نیلی پوش ہیں
یوسفِ ملت کو اہلِ قافلہ رویا کریں

وہ کرشمے روح‌پرور وہ ادائیں دل‌نواز
تیری کس کس بات پر اے دلربا رویا کریں

صبحِ نو کی تیری شامِ زندگی تمہید ہے
وہ تری جاوید منزل زندۂ جاوید ہے

سوزِ دل سے نبض جو مسلم کی تڑپاتا رہا
ہائے وہ اسلام کا قلبِ تپاں جاتا رہا

قلۂ کوہِ ہمالہ سے پیامِ زندگی
مصر و شام و روم و ایراں تک وہ پہنچاتا رہا

دل سے جو اقبال کے اٹھی صدائے دردناک
کاشغر سے باختر تک اس کو دہراتا رہا

فطرتِ بے تاب سے اپنی شرارِ آرزو
عرصۂ عالم کے مظلوموں میں سلگاتا رہا

سینۂ سوزاں میں مخفی تھے جو شعلے طور کے
ان سے شرق و غرب کی دنیا کو چمکاتا رہا

اس کی تھی ہر شاخ میں پنہاں شمیمِ زندگی
جس سے وہ معمورۂ ہستی کو مہکاتا رہا

وہ سرودِ زندگانی‌بخش اسرار و رموز
وہ خودی کی راگنی ہر رنگ میں گاتا رہا

پھونک دی مفلوج جسمِ قوم میں روحِ عمل
شاہبازی کبکِ کہساری کو سکھلاتا رہا

وہ فقیرِ خانقہ، مستِ مئے عرفاں رہا
عشرتِ میری کے میخانوں کو ٹھکراتا رہا

تھا کبھی محوِ تماشا سیر میں افلاک کی
عرشِ اعظم کے کبھی پردوں کو سرکاتا رہا

مرتبہ انسانِ خاکی کا کیا اتنا بلند
عالمِ ناہوت سے ناسوت ٹکراتا رہا

برتر از ادراکِ اہلِ بزم یہ مستِ الست
کنجِ خلوت میں سرودِ سرمدی گاتا رہا

زندگی اقبال کی ہے جاودانی زندگی
کشتگانِ عشق کی ہے غیرفانی زندگی

زندگی اس کی ہے اب عرشِ آشیانی زندگی
خلدمنزل زندگی، جنت‌مکانی زندگی

زندگی اس کی مسلسل ہے ازل سے تا ابد
وہ تھی فانی زندگی، یہ جاودانی زندگی

برتر از قیدِ مکاں ہے، برتر از قیدِ زماں
عالمِ لاہوت کی یہ لامکانی زندگی

کس قدر ہنگامہ آرا قرنِ حاضر میں رہی
یہ اویسِ عصر کی صاحبقرانی زندگی

اس سرودِ ساربان سے کس قدر سرمست تھی
کاروانِ قوم کی یہ کاروانی زندگی

زندگانی اس کی تھی پیہم رواں، پیہم دواں
بادلوں کی سیر، دریا کی روانی زندگی

داستانِ آسمان و ماورائے آسمان
مہر و ماہ و بزمِ انجم کی کہانی زندگی

تھی نویدِ شادمانی زندگی اقبال کی
شعرِ مشرق میں رہی غم کی کہانی زندگی

ہائے وہ حسن آشنا فطرت کی تخئیل جمیل
ہائے وہ عشق آفریں، جانِ جہانی زندگی

ناظرِ مہجور کی ہے تربتِ اقبال پر
دیدۂ خوننابہ سے گوہرفشانی زندگی

سینہ کوبی میں رہے، جب تک کہ دم میں دم رہا
ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

نالهٔ عظامیِ خسته حال
در فراقِ حضرت علامه سر محمد اقبال

فلک ها در لباسِ نیل گونست
زمین ها غوطه زن در بحرِ خونست

بیامد گل به پیراهن دریدن
ز بلبل رم گرفت ست آرمیدن

عنادل را نوا شورِ فغانها ست
صدائے قمریاں نشتر بجانها ست

بجانِ بیدلاں صبر و سکوں نیست
نه جائے ہست کانجا موجِ خوں نیست

تپیدن را حکومت دست داده
سکوں را تاج از سر اوفتاده

بهانا حضرتِ علامه اقبال
که ماضی را بیا در دست در حال

ز اوصافش بپرس از روے انصاف
گرفته صیت شعرش قاف تا قاف

نوائش را فصاحت سفته گوشے
بیانش را بلاغت سرفروشے

چو پر برمی‌زدے مرغِ خیالش
باوجِ سدره می سائید بالش

باسرارِ خودی با ترزبانے
رموزِ بےخودی را ترجمانے

سر از جیبِ جلال الدین رومی
برآورده ست آں بحرِ علومی

ز جامِ حبِ احمد مست اقبال
به محبوبِ خدا دل بست اقبال

بدل سوز بلالی داشت اقبال
بریں حالش گواهِ صادقش حال

نهنگِ قلزمِ توحید اقبال
پلنگِ بیشهٔ تجرید اقبال

حقیقت را به بازارِ حجازی
بیا در دستِ آں داناے رازے

سرِ خود ناتراشیده سکندر
زباں از دعوی بستہ پیمبر

نہ تنہا مقتدائے اوستادم
بس اسرارِ فن از وے ہست یادم

دریغا حسرتا امروز مرد ست
بدستِ مرگ نقدِ جاں سپرد ست

یکے بنگر کہ در جاوید منزل
قیامت را حکومت ہست حاصل

یکے جاوید را ہم بیں کہ چونست
ز چشمانش رواں دو جوے خونست

بیا بنگر یکے سوے علی بخش
کہ از غم می کند موے علی بخش

بہ سر بر اوفتادہ کوہِ غمہا
دلم را در گرفت استے الم ہا

اجل امروز آں تیرے بجاں زد
کہ آتشہا بہ مغزِ استخواں زد

غلط کردم تپیدن از تپیدن
سرشکِ من براوفتاد از چکیدن

بنالہ نالہ ہا بر نالہ ہائم
بلب بت خانہ ہا بت خانہ ہائم

سحر را چاک چاک آمد گریباں
سیہ پوش ست شب در ماتمِ آں

عظامی تا یکے ایں آہ و زاری
عظامی تا کجا ایں اشکباری

اجل را پنجہ تابیدن ندانی
قضا را دست پیچیدن ندانی

شہنشاہاں زبوں صیدے قضا را
جہاں بازاں چو خس سیلِ فنا را

قضا را فرق در شاہ و گدا نیست
اگر فرقے کند حاشا قضا نیست

طبیباں را قضا بیمار سازد
عسل را مرگ زہرِ مار سازد

دمِ گرمِ مسیحا از قضا مرد
بآبِ خضر آمیزد قضا گرد

غلط گوئی قضا جاں مے ستاند
کہ جانے کو دہد مردن نداند

عطاسی شکوۂ افلاک تا چند
بہ سر خاک و گریباں چاک تا چند

کجا دستے کہ با گردوں ستیزی
کجا پائے کہ از دوراں گریزی

فلک را رسم و آئینِ وفا نیست
بچشمِ ایں ستم کیشے حیا نیست

سمومی می کند ایں با گلِ تر
بشاخ آید بگرد و موجِ صرصر

دلِ خود وقفِ تسلیم و رضا کن
زبانِ خویش مصروفِ دعا کن

الٰہی قصرِ جنت جائے او باد !
حریمِ رحمت ماوائے او باد !

اقبال بلند ہو گیا ہے

غم حوصلہ مند ہو گیا ہے
دل صبر پسند ہو گیا ہے

دریا دریا تھے میرے آنسو
وہ چشمہ ہی بند ہو گیا ہے

غم کھانے کی ہو گئی ہے عادت
یہ زہر بھی قند ہو گیا ہے

کچھ لطف نہیں ہے زندگی کا
ہر سانس گزند ہو گیا ہے

ہاتھوں سے خوشی کا ہر بہانہ
پروازِ پرند ہو گیا ہے

اندازِ حیات و مرگِ اقبال
میرے لیے پند ہو گیا ہے

دنیا میں بڑا تھا اس کا رتبہ
عقبیٰ میں دو چند ہو گیا ہے

اقبال بلند تھا ہمارا
اب اور بلند ہو گیا ہے

پروفیسر آلِ احمد سرور

مردِ قلندر

ابھی مسعود کے ماتم سے سنبھلی بھی نہ تھی ملت
خبر آئی کہ ہم سے ہو گیا اقبال بھی رخصت

وہ جس کے ساز سے بیداریاں بکھریں فضاؤں میں
وہ جس کے دم سے طوفاں جاگ اٹھے ٹھنڈی ہواؤں میں

وہ جس نے خاکیوں میں عرشیوں کی عظمتیں بھر دیں
وہ جس نے خلوتوں میں محفلیں آراستہ کر دیں

ہر اک ساحل کو ہم آغوشِ طوفاں کر دیا جس نے
بیابانوں کو رشکِ صد گلستاں کر دیا جس نے

فرازِ لامکاں تک رفعتِ پرواز تھی جس کی
نوائے قدس سے ملتی ہوئی آواز تھی جس کی

جو محفل میں دکھانے کو بلوریں جام لیتا تھا
مگر ہر شعر سے شمشیر کا سا کام لیتا تھا

تمناؤں کو جا کر کوئے قاتل سے اٹھا لایا
جوانوں کو مے و ساغر کی محفل سے اٹھا لایا

چراغِ خاک کو جس نے بنایا لالۂ صحرا
جبینِ قطرۂ بے مایہ سے چھلکا دیے دریا

وہ جس نے آشیاں کی خاک میں چنگاریاں بھر دیں
رگوں میں خون کے بدلے تڑپتی بجلیاں بھر دیں

وہ ساقی جس کی مینائے سخن میں تیغ کی تیزی
وہ واعظ پند میں جس کی حسینوں کی دل آویزی

بہارِ رنگ و بو میں بجلیاں کھولے ہوئے پرچم
کبھی طوفاں ، کبھی ساحل ، کبھی شعلہ ، کبھی شبنم

قدامت کا پجاری اور نئی دنیا کا متوالا
خدا کو ماننے والا ، بتوں کو چاہنے والا

فقیرِ بے نوا تھا ، دل مگر شاہانہ رکھتا تھا
وہ عاشق تھا ، مگر انداز معشوقانہ رکھتا تھا

وہ جس کے واسطے پیمانوں سے بوندیں چھلک آئیں
مدینے کی ہوائیں گلشنِ لاہور تک آئیں

وہ جس نے ڈوبتی نبضوں میں دوڑایا لہو اپنا
بیابانوں کے دل میں بھر دیا ذوقِ نمو اپنا

وہ جس نے حریت کے راز بتلائے غلاموں کو
وہ جس نے سجدے کے آداب سکھلائے اماموں کو

دلِ یخ بستہ کو ذوقِ عمل کی آنچ دی جس نے
ہجومِ یاس کو بخشی یقیں کی روشنی جس نے

ندامت کو جھنجوڑا ، عام دستوروں کے بت توڑے
خودی کی ضرب سے دنیا کے مغروروں کے بت توڑے

حریمِ حسن میں جا کر رموزِ عاشقی کھولے
فرشتوں کے عمل انساں کی میزان پر تولے

وہ شاعر جس نے اسرارِ خودی کا راگ گایا تھا
وہ غازی موت کا منہ دیکھ کر جو مسکرایا تھا

وہ مے کش دے گواہی ، حور جس کی پارسائی کی
وہ مومن بندگی میں شان تھی جس کی خدائی کی

زعیمِ ملک و ملت ، رہبرِ دیں ، رندِ بے پروا
کلیمِ طورِ معنی ، علم کا بہتا ہوا دریا

وہ جس نے زندگی کو بخش دی تابندگی ایسی
جسے خود موت کی ظلمت بھی مدھم کر نہیں سکتی

شفق ہر شام کو اس کی لحد پر پھول لاتی ہے
نسیمِ جاں فزا ہر صبح یہ نغمہ سناتی ہے

یہاں ملتا رہے گا سوز و سازِ آرزو برسوں
کیا ہے خونِ دل سے اک قلندر نے وضو برسوں

امت کا شب چراغ

جس رہ نوردِ شوق کو منزل سے عار تھا
جس موجِ بیقرار کو ساحل سے عار تھا

کس کی نظر نے اس کو نظربند کر دیا
اس برقِ جاں‌نواز کو پابند کر دیا

شعلہ زمیں کا عرش کی گودی میں سو گیا
امت کا شب چراغ اجالے میں کھو گیا

زندۂ جاوید اقبال

ظاہر کی آنکھ سے جو نہاں ہو گیا تو کیا
احساس میں سما گیا ، دل میں اتر گیا

کنجِ مزار میں تنِ خاکی کو چھوڑ کر
قدسی نژاد اوجِ سماوات پر گیا

کاشانۂ بقا میں مسافر پہنچ گیا
ویرانۂ فنا سے سلامت گذر گیا

باغِ جہاں میں صورتِ گلہائے تر رہا
باغِ جناں میں مثلِ نسیمِ سحر گیا

خاکِ چمن میں گوہرِ شبنم نہاں نہیں
خورشیدِ جلوہ بار سے پوچھو کدھر گیا

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بعشق
روشن تر اس حقیقتِ روشن کو کر گیا

محروم ! کیوں ترے دلِ حرماں نصیب کو
یہ وہم ہو گیا ہے کہ اقبال مر گیا

ماتمِ اقبال

یہ نہ کہہ اک شاعرِ ہندوستاں جاتا رہا
پیشوائے نکتہ سنجانِ جہاں جاتا رہا

باعثِ ماتم زمانے کو ہے موت اقبال کی
کارواں رویا کہ میرِ کارواں جاتا رہا

اب کہاں سے لائے گا کوئی حقیقت بیں نظر
آہ اسرارِ خودی کا رازداں جاتا رہا

آشنا بانگِ درا سے ہو گیا کیا گوشِ قوم
مجلسِ اسلامیاں کا نوحہ خواں جاتا رہا

قصۂ ماضی میں تحریکِ عمل باقی نہیں
اب سنیں کیا ہم کہ لطفِ داستاں جاتا رہا

نالۂ غم میں وہ کیفیت نہ پائی جائے گی
آج ذوقِ شیوۂ آہ و فغاں جاتا رہا

اب زبانِ خامہ پر پڑ ہی گئی مہرِ سکوت
وحشتِ رنگیں بیاں کا قدرداں جاتا رہا

طائرِ طوبیٰ

(۱)

نفس نفس کو جو سمجھا ہو دامِ صیادی
سکونِ موت ہے اس کو پیامِ آزادی

وہ بوئے گل کہ جو پہنچی ہے اڑ کے جنت میں
کہاں یہ تاب ؟ کہ سمجھے چمن کی بربادی

اسیرِ عمر کی کل زندگی ، اسیری ہے
کہ حریت کی تو فطرت نہیں ہے میعادی

حبابِ بحر کی موجوں میں کچھ نہیں بنیاد
ہے اعتبارِ طبیعت الم ہو یا شادی

وہ موج ، ہاتھ میں جس کے کوئی سفینا ہے
اسی کے ذوق سے مرنا ہے اور جینا ہے

(۲)

قفس کی راہ میں جب بند آب و دانہ ہوا
جناں کو طائرِ لذت نوا روانہ ہوا

قفس کے پاس اسیرِ الم ادھر صیاد
ادھر چمن کے غمِ ہجر جاودانہ ہوا

رگِ فضا سے جو اٹھتا تھا نغمۂ دلدوز
ہانِ درد و الم پر وہی فسانہ ہوا

اتر گیا کوئی بامِ نفس سے مرقد میں
کمالِ زیست ہی خود موت کا بہانہ ہوا

وہ روحِ پیکرِ "اقبال" غیرتِ اسلام
فرشتے لے چلے جب اس کو سوئے ربِ انام

(۳)

ندا یہ آئی کہ اے عندلیبِ سحر نواز
حقیقتوں سے بھری ہے تری نوائے مجاز

وہ مشتِ خاک میں تیری تھی برق سامانی
کہ اس نے دی ہے فرشتوں کو سرعتِ پرواز

ہوئی ہے دم سے ترے سرفراز پامالی
سکھائی مور کو پروانگیِ بزمِ گداز

تری نوا سے رگِ جاں کا تار لرزاں ہے
نۓ عجم میں سنائی صدائے مستِ حجاز

دکانِ کفر کو دی ، دیں کی گرم بازاری
بتانِ ہند سے پوچھے کوئی حرم داری

(۴)

بگاڑ کارِ وفا کا بنا دیا تو نے
جو تجھ سے روٹھ گیا تھا منا دیا تو نے

نہیں ہے لفظ تعین ، حرم پرستوں میں
مقام و بعد کا پردہ اٹھا دیا تو نے

وہ دل کہ دور تھا خود دانشِ غلامی سے
نظر کے سامنے لا کر دکھا دیا تو نے

جو پی کے سوئے تھے مغرب کا جامِ خواب سرشت
انھیں کا شانہ پکڑ کر جگا دیا تو نے

نئی لگن یہ ترے سوز نے لگائی ہے
لگا کے دل میں نمِ اشک سے بجھائی ہے

(۵)

وہی ہے ایک ہی سودا ، کہیں ہو سودائی
سوادِ غرب کو دی ایشیا کی بینائی

نظر ہو جانبِ قبلہ قدم کنشت میں ہو
بہ راہِ ہوش تھی مغرب کی کام فرمائی

کہاں مزاجِ محبت کہاں جنونِ خرد
نگاہِ عشق میں ہے فلسفے کی گہرائی

شکست عقل کو دی ذوق سے عقیدت کے
بہت بلند خرد سے ہے کیفِ دانائی

جو تار و پود تھا مغرب کا وہ بکھیر دیا
غرض کہ تو نے زمانے کے رخ کو پھیر دیا

(٦)

وہ شاعری کہ بنی رسم کی پرستاری
متاع جس کی تھی ذلت مآل تھا خواری

شراب رنگ تھا ساغر سرور سے خالی
یہی فریب تھا کل اہلِ بزم پر طاری

تمام اہلِ نظر کو دکھا دیا تو نے
کہ شاعری ہے حقیقت میں شانِ سرداری

جو لفظ میں نہیں طاقت تو ہیچ ہے معنی
کہاں ہو لفظ میں قوت جو دل ہو بیماری

تو شمع بن کے جلا ، داغِ دل دکھانے کو
دکھا دیا جو دکھانا تھا کل زمانے کو

(۷)

طریقِ برق ، تڑپنے میں اختیار کیا
کہ خود تڑپ کے زمانے کو بیقرار کیا

مآلِ کفر دکھانا تھا کفر والوں کو
تمام عمر قیامت کا انتظار کیا

یہی ہے غیرتِ ایمانِ عشق کا حاصل
کہ حسن نے جو کہا ، اس کا اعتبار کیا

تری نظر میں ، مقامِ بلند الفت تھا
عدو سے چھیڑ ہوئی دوستوں کو پیار کیا

عبودیت کو بتایا ، مقامِ آقائی
یہی ہے ہوش مسلماں کی اصل دانائی

(۸)

بجائے خویش ، تو خود اپنا اعتبار رہا
خزاں کے دور میں بھی دامنِ بہار رہا

مجاہدانہ تھا اقدام سرفروشی کا
قلم کے سیف سے دائم ستیزہ‌کار رہا

ادا بتائی زمانے کو گلفشانی کی
تو دشمنوں کی نظر میں اگرچہ خار رہا

بھلا دیا تھا قفس تو نے قیدِ ہستی کا
کہ جنبشِ پرِ پروازِ روزگار رہا

تری زباں پہ تھا ہر دم سبق اخوت کا
یہی ہے راز مسلماں کی اصل قوت کا

(۹)

سمجھ گیا تھا تو طرزِ شرارِ بولہبی
یہی ہے شیوۂ عشقِ محمدِ عربی

مدارِ زیست سمجھتا تھا عشقِ سوزاں کو
تمام عمر ترے دل میں تھی یہ آگ دبی

سکونِ نفس جدا تھا معاش جوئی سے
کہاں جگر کی تراوٹ کہاں یہ تشنہ لبی

ادب حیات کا ہے ذوقِ طرزِ نالہ کشی
سکونِ ضبط کو سمجھا تھا تو نے بے ادبی

تمام فرشِ زمیں کو ہلا دیا تو نے
"عرب" سے ہند کا ڈانڈا ملا دیا تو نے

(۱۰)

ہر ایک لفظ سے ظاہر تڑپ محبت کی
ہر ایک بات میں رنگینیاں قیامت کی

ہر ایک حرف میں پہلوئے دردِ بیتابی
ادا ادا تھی کہ چنگاریاں تھیں حسرت کی

تری نگاہ نے ظرفِ طلب کو پہچانا
بقدرِ جیبِ ادب بخششیں تھیں قسمت کی

بشر تھا اور مقامِ ملک کو جان لیا
اسی شعور کو کہتے ہیں داد فطرت کی

جمالِ شعر میں ہے نازِ حسن دلداری
بشرط آنکہ نگہوں میں ہو طلبگاری

(۱۱)

وہی ہے شعر کہ جو آئنہ ہو فطرت کا
وہی سخن ہے کہ جو دل بنے طبیعت کا

وہی ہے بات کہ جو قلب میں اتر جائے
وہی ہے طرز کہ طوفاں ہو بحرِ حکمت کا

وہی کلام ہے جو خود کلیم بن جائے
وہی ہے زور کہ ہو جس میں ہاتھ قدرت کا

وہی ہے شان کہ جس پر نظر نہ ٹھہر سکے
وہی نظر ہے کہ جس میں ہو رخ حقیقت کا

غرض کہ ذوقِ نظر نے ترے کمال کیا
کہ ذرے ذرے کو نظارۂ جمال کیا

(۱۲)

تو روحِ "طائرِ طوبیٰ" تھا پیکرِ اقبال
نہیں ہے صورتِ انساں میں تیری کوئی مثال

زمیں کو چھوڑ کے آیا ہے آسماں کی طرف
کہ پست ہو کے رہے کیوں ترا بلند خیال

تو آ کے خلد میں اب عیشِ جاودانی کر
مقامِ جسم، تری روح کر چکا ہے نڈھال

چہک تو شاخ پہ طوبیٰ کی دل اگر چاہے
کہ اہلِ خلد کو بھائی ہے تیری طرزِ مقال

ادھر کہ خلد کی رونق بڑھائی جاتی ہے
ادھر ہے خاک کہ کیفی اڑائی جاتی ہے

ماتمِ اقبال

پھر نالہ ہائے غم سے ہے لبریز دل کا ساز
پھر ہو گیا ہے دیدۂ حیراں گہرطراز

وہ حق شناس فلسفی، وہ مردِ نکتہ داں
وہ باکمال شاعر و درویش و پاک باز

نغمے تھے جس سخنورِ عالی دماغ کے
مشرق میں دل پذیر تو مغرب میں جاں نواز

تیرِ اجل نے اس کو نشانہ بنا لیا
تھا ہم کو آہ جس کے کمالِ سخن پہ ناز

محفل سے آج ساقیِ محفل ہی اٹھ گیا
آزاد اب کہاں وہ شرابِ جگرگداز

ہر بزم وقفِ نالۂ غم ہے ہزار حیف
خوننابہ‌بار دیدۂ غم ہے ہزار حیف

اقبال اے جہانِ معانی کے تاجدار
اے رومیؔ و ثنائیؔ و غالبؔ کی یادگار

معنی کو تجھ پہ فخر تخیل کو تجھ پہ ناز
نازاں تھا تجھ پہ مشرق و مغرب کا ہر دیار

آتش کا سوز گل کی مہک برق کی تڑپ
سو جاں سے ہو گئے تری تخئیل پر نثار

تو نے سخن کو زندۂ جاوید کر دیا!
تیرے نفس نے دی چمنِ شعر کو بہار

دو گز زمین آہ تجھے راس آ گئی
شہرت پہ تیری تنگ تھا دامانِ روزگار

گو زیرِ خاک کالبدِ خاک آ گیا
تو روح بن کے عالمِ جاں میں سما گیا

اے مزرعہ سخن پہ برستے ہوئے سحاب
اے مطلعِ وطن کے درخشندہ آفتاب

جاں بخش تیری نظم کا ہر استعارہ ہے
ہر لفظ بے مثال ہے، ہر شعر لاجواب

اب آ کے کون دے گا گلِ شعر کو مہک
بخشے گا کون گوہرِ معنی کو آب و تاب

کہتے ہیں ترجمانِ حقیقت بجا تجھے
ہر رازِ حق تھا دیدۂ باطن پہ بے نقاب

رتبہ تری خودی کا نہایت بلند تھا
تجھ کو ترے خدا نے کیا بارہا خطاب

اس دور میں تو آگہِ رازِ قدیم تھا
جو ہو حریفِ جلوۂ حق وہ کلیم تھا

جس کی صداؤں پہ ہمہ تن گوش تھے سروش
وہ جامِ روح پرورِ عرفاں کا بادہ نوش

جس کی نوا سے نادرِ افغاں تڑپ اٹھا
اف ، ہو گیا وہ شاعرِ آتش نوا خموش

رنگیں تھا جس کے حسنِ تخیل سے برگِ گل
جس کی گرج سے موجۂ طوفاں میں تھا خروش

سینوں میں جس نے قوتِ گفتار سے بھرا
صہبائے بیخودی کا سرور و عمل کا جوش

جس کے ہر اک نفس میں تھا میخانۂ حیات
تربت ہے اس کی سایۂ مسجد میں سبزپوش

ہے خاک میں وہ عرشِ معانی ہزار حیف
اے انقلابِ عالمِ فانی ہزار حیف

نالۂ پابندِ نے

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می‌نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں (اقبال)

* * *

سنائیں کیا کسی کو قصۂ دردِ نہاں اپنا
نہ کوئی ہم زباں اپنا ، نہ کوئی رازداں اپنا

وہی ہم ہیں وہی دیرینہ ماتم بدنصیبی کا
نہ رفتارِ زماں اپنی نہ دورِ آسماں اپنا

ابھی کچھ داد باقی تھی ہماری سخت جانی کی
ابھی منظور تھا قدرت کو شاید امتحاں اپنا

مقدر کو تدبر سے کیا تھا سرنگوں جس نے
نظر آتا نہیں ہم کو وہ میرِ کارواں اپنا

کدھر کو جائیں اہلِ کارواں بانگِ درا گم ہے
درا کا ذکر کیا اس کارواں کا رہنما گم ہے

ہوا ہے قوم کے اقبال کا لبریز پیمانہ
گیا وہ ساقیِ بزمِ خودی ، ویراں ہے میخانہ

جو قندیلِ نوا سے راہِ مستقبل دکھاتا تھا
جو رو رو کر سناتا تھا غمِ ماضی کا افسانہ

غلاموں کو کیا "ذوقِ یقیں" سے آشنا جس نے
گداؤں کو بتائی جس نے راہ و رسمِ شاہانہ

"یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتحِ عالم"
زمانے کو دیا جس نے یہ پیغامِ حکیمانہ

رلائے گا ہمیں اقبال کا عزمِ سفر برسوں
نہ ہوگی اس شبِ تاریکِ ہجراں کی سحر برسوں

بظاہر خاک میں پوشیدہ اہلِ دل بھی ہوتے ہیں
زمیں پیوند دنیا میں مہِ کامل بھی ہوتے ہیں

یہ گردابِ فنا ساحل ہے عمرِ جاودانی کا
کبھی گرداب کی تہہ میں نہاں ساحل بھی ہوتے ہیں

یہ دنیا رہگذر ہے اور غبارِ راہ ہیں انساں
غبارِ راہ اکثر واصلِ منزل بھی ہوتے ہیں

تلاشِ ناقۂ لیلیٰ میں رہتے ہیں جو سرگرداں
وہ اک دن روشناسِ پردۂ محمل بھی ہوتے ہیں

"بروں از گنبدِ در بستہ پیدا کردہ ام راہے
کہ از اندیشہ برتر می پرد آہے سحرگاہے"
(اقبال)

کچھ اس انداز سے چھیڑی حدیثِ آرزو مندی
غبارِ راہ کو تو نے عطا کی شانِ الوندی

جو پایا تجھ کو اپنا محرمِ اسرار فطرت نے
تجھے سونپی عروسِ علم و حکمت کی حنا بندی

جہانِ آب و گل سے لے اڑا ذوقِ خودی تجھ کو
گوارا ہو نہ سکتی تھی تجھے جینے کی پابندی

ہم آغوش اس شرارِ جاوداں سے ہو گیا آخر
"تری آتش کو بھڑکاتی تھی جس کی دیر پیوندی"

نشاطِ جاوداں تیرا ، بہشتِ جاوداں تیری
فروغِ لامکاں تیرا ، فضائے لامکاں تیری

نظر سے جلوۂ آخر کی تابانی نہیں جاتی
دلِ مہجور کی آئینہ سامانی نہیں جاتی

ہوا تیرے شکوہِ مرگ سے ثابت کہ مر کر بھی
پرستارانِ حق کی خندہ پیشانی نہیں جاتی

تو وہ شہکارِ فطرت تھا کہ تجھ کو چھین کر ہم سے
نہیں جاتی مشیت کی پشیمانی نہیں جاتی

جہاں آباد ہے تجھ سا مگر انساں نہیں کوئی
ستارے ہیں بہت لیکن مہِ تاباں نہیں کوئی

تجھے ہم عمر بھر روئیں مگر رونے سے کیا حاصل
نہ تجھ کو پا سکیں گے اپنی جاں کھونے سے کیا حاصل

ترا داغِ جدائی حشر تک دل سے نہ جائے گا
یہ دھل سکتا نہیں، اشکوں سے منہ دھونے سے کیا حاصل

نہ پھوٹے گا نہالِ آرزو آنسو بہانے سے
یہ دانے اب زمینِ شعر میں بونے سے کیا حاصل

یہ نالے جب بدل سکتے نہیں تقدیرِ انساں کو
تو ان مجبوریوں پر نوحہ خواں ہونے سے کیا حاصل

نہ پایانِ طلب کوئی نہ انجامِ تمنا ہے
"اثر فریادِ دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے"

یہ ممکن ہے رگِ گلبرگِ تر سے ہو شرر پیدا
نہیں ممکن کوئی اقبال سا ہو پھر بشر پیدا

حیات آوارۂ دیر و حرم رہتی ہے صدیوں تک
تو بزمِ عشق سے ہوتا ہے اک صاحب نظر پیدا

کئی پرویز دادِ عیش و عشرت دے کے مرتے ہیں
تو ہوتا ہے کہیں فرہاد سا خونیں جگر پیدا

''ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

نہ جانے کتنی مدت آفتاب اس غم میں جلتا ہے
تو سنگِ تیرہ لعلِ بے بہا بن کر نکلتا ہے

دیارِ شوق سے یارب کوئی معنی طراز آئے
بآہنگِ حجازی پھر صدائے دلنواز آئے

فلک نے مشعلِ خورشید لے کر جس کو ڈھونڈا تھا
کہیں سے وہ امینِ دولتِ سوز و گداز آئے

فقیرِ رہ نشیں کو جو غرورِ خسروی بخشے
خمستانِ خودی سے وہ شرابِ خانہ ساز آئے

"سرودِ رفتہ" کی پھر آرزو ہے گوشِ سمعی کو
کسی وادی سے پھر اقبال سا دانائے راز آئے

ترا قسمت شناس اے گلشنِ ایجاد پیدا ہو
کوئی نوحہ گرِ غرناطہ و بغداد پیدا ہو

آہ اقبال

کوئی اقبال کا ثانی جہاں میں
پس از عمرِ دراز آئے نہ آئے

حقیقت آشنائے عشق و مستی
پھر اے بزمِ مجاز آئے نہ آئے

شکستہ تار ہیں سازِ خودی کے
وہ صورت دل نواز آئے نہ آئے

ہوا خاموش وہ دانائے راز اب
کوئی دانائے راز آئے نہ آئے

فقیری میں بھی شانِ بادشاہی
پھر ایسا بے نیاز آئے نہ آئے

گیا وہ چارہ سازِ دردِ ملت
پھر ایسا چارہ ساز آئے نہ آئے

پیغمبرِ دینِ خودی

منتظر اس مردِ حق کا ہے جہانِ بے ثبات
جس کا اک جلوہ ہو بنیادِ فروغِ شش جہات

مدتوں گردش میں رہتا ہے چراغِ مہر جب
صبح ہوتی ہے شبِ تاریکِ بزمِ کائنات

گھومتا ہے جب تلاشِ نوحؑ میں برسوں فلک
کشتیِ انساں کو طوفانوں سے ملتی ہے نجات

صاحبِ ضربِ کلیم آتا ہے اک صدیوں کے بعد
گرچہ اس دنیا میں بنتے ہیں سدا لات و منات

اک حسینؓ تشنہ ہوتا ہے حرم سے جلوہ گر
جستجو میں مدتوں روتی ہے جب رودِ فرات

دودمانِ عشق سے محمود روز اٹھتے نہیں
لت نئے تیار ہوتے ہیں خرد کے سومنات

تلخیِ دوراں رلاتی ہے ہزاروں سال جب
پھوٹتی ہے زندگی کے نخل سے شاخِ نبات

اب ہمیشہ روئیں گے اقبال کو دیر و حرم
''عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات''
''تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں''

اقبال

ہر دل رہینِ رنج و غمِ بیکراں ہے آج
ہر اک زباں پہ نالۂ آتش فشاں ہے آج

ہندوستاں میں ہے صفِ ماتم بچھی ہوئی
ہر فرد فرطِ رنج سے ماتم کناں ہے آج

بکھرا ہے شور و شین سے سرمایۂ سکوت
غرقابِ انتشار فضائے جہاں ہے آج

ہر شخص سوگوار ہے ، ہر فرد ہے اداس
ہندوستاں میں بزمِ عزا کا سماں ہے آج

جس کی صدا کی مشرق و مغرب میں گونج ہے
وہ ہم نوائے طائرِ سدرہ کہاں ہے آج

نغموں کی جس کے گنبدِ گرداں میں گونج ہے
وہ ہند و ایشیا کا حدی خواں کہاں ہے آج

احوالِ قوم پر جو بہاتا تھا اشکِ خوں
وہ دردمندِ ملتِ بیضا کہاں ہے آج

اقبال جس نے سوئے ہوؤں کو جگا دیا
خود محوِ استراحتِ خوابِ گراں ہے آج

وہ شاعرِ یگانہ و یکتائے روزگار
چشمِ جہاں سے صورتِ عنقا کہاں ہے آج

اقبال مر کے زیست کا پیغام دے گیا
ارزاں جہاں میں زندگیِ جاوداں ہے آج

جب تک قیامِ عالمِ ناپائیدار ہے
اس کا کلام ایک ابدی یادگار ہے

اقبال

"بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

حصول قطرہ نیساں کی جان کھوتی ہے
تو ہوتا ہے صدف کے صاف سینے سے گہر پیدا

لطافت قوتِ نشو و نما میں جذب ہوتی ہے
ہزاروں کوششوں کے بعد ہوتا ہے ثمر پیدا

خلش دردِ وطن کی روح میں نشتر چبھوتی ہے
یوں ہی ہوتا نہیں پیغامِ شاعر میں اثر پیدا

"ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

بہ ایں معنی ہمیں امید رکھنی چاہیے لیکن
نہیں ممکن کہ ہو اقبال اب بارِ دگر پیدا

آہ ! اے اقبال

کہاں ہے آہ اے اقبال اے ملت کے شیدائی
ترستی ہے ترے دیدار کو چشمِ تماشائی

ملی تھی سرزمینِ شور تجھ کو پھول بونے کو
تری تقدیر تھی بربادیِ ملت پہ رونے کو

دیا ذوقِ یقیں کا درس تو نے بے دماغوں کو
سنبھالا آندھیوں میں روح کے بجھتے چراغوں کو

بدل دی گلستانِ ہند کی یکسر ہوا تو نے
عطا مستسقیوں کو کر دیا آبِ بقا تو نے

ترے نغموں کے قابل گرچہ یہ بستاں نہ تھا ہرگز
ترا ماحول تیرے ذوق کے شایاں نہ تھا ہرگز

مگر کی اس طرح پوری کمی بے اختیاری کی
کہ دن کو فکرِ فردا ، رات کو اختر شماری کی

نہ پایا گلشنِ پنجاب میں جب ہم نوا اپنا
سمجھ کر ، سوچ کر ، حاصل کیا یوں مدعا اپنا

مشامِ جاں نے تیرے مانگ لی بو باغِ دہلی سے
لیا درسِ نواپیرائی تو نے داغِ دہلی سے

گداز ایسا بھرا پھر تو نے اپنی داستانوں میں
کہ زندہ کردیے جذباتِ آزادی جوانوں کے

ترے نغموں سے ہے فولاد کے دل میں لچک پیدا
تری تانوں سے ہے ہستی کی نبضوں میں دھمک پیدا

بتائے خود فراموشوں کو اسرارِ خودی تو نے
بنایا فی الحقیقت آدمی کو آدمی تو نے

تمیزِ زندگی دی تو نے درسِ زندگانی سے
چٹانوں کے جگر برما دیے آتش بیانی سے

مٹایا امتیازِ رنگ و نسلِ آدمی تو نے
حجابِ شاعری میں کی ہے اک پیغمبری تو نے

ہے تیرے زمزموں سے لوچ پیدا کوہساروں میں
ہے تیرا شعلۂ آواز رقصاں برق پاروں میں

تری آتش نوائی سے ہے پتھر میں شرر پیدا
نگاہوں سے ہے تیری سنگ ریزوں میں نظر پیدا

دکھائے تو نے ناکاموں کو رستے کامرانی کے
نکالے موت کے دریا سے ساحل زندگانی کے

سنوارا تو نے گیسوئے عروسِ علم و حکمت کو
ہر پرواز بخشے تو نے ذوقِ آدمیت کو

تری نظروں میں قیمت ہی نہ تھی کچھ کجلاہی کی
حقیقت آشکارا تجھ پہ تھی دینِ الٰہی کی

کیا ہے پستیوں کو رفعتوں سے آشنا تو نے
سنائی گمرہوں کو بے بہ بے بانگِ درا تو نے

مسلمانوں کو پیش اسلام کی توحید کی تو نے
خدا کے آخری پیغام کی تجدید کی تو نے

ترا ثانی کوئی ہندوستاں میں ہو نہیں سکتا
یہ سوزِ بے اماں ، سازِ بیاں میں ہو نہیں سکتا

ترے آتش‌فشاں پرسوز نغموں سے جہاں جاگا
زمیں نے کروٹوں پر کروٹیں لیں آسماں جاگا

مگر پنجاب اب تک بے حس و مدہوش سوتا ہے
زمانہ جاگ اٹھا ہے اور یہ غفلت کوش سوتا ہے

یہ بحرِ بے خودی میں سر بسر غرقاب ہے اب تک
یہ میٹھی نیند کا ماتا اسیرِ خواب ہے اب تک

قیامت ہے سمندر میں بھی شورِ تشنہ‌کامی ہو
جہاں اقبال پیدا ہو وہاں مذہب غلامی ہو ؟

* * *

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ

پلک جھپکنے میں کیا ہوگئی ہے بزمِ سرور
کہ ایک نالۂ غمگیں ہے نغمۂ داؤد

اسیر روتے ہیں فرغل میں سر چھپائے ہوئے
تو اہلِ فقر کی بھی آستیں ہے خوں آلود

ہے کس کے غم میں حزیں دو جہاں کی پہنائی
افق سے جھانک رہا ہے کسے سپہرِ کبود

یہ کس کے درد سے تارے فلک پہ کانپتے ہیں
یہ کس کی یاد میں گم ہے ہر ایک شے کا وجود

یہ کس کے در پہ اترتے ہیں پے بہ پے قدسی
نگاہ محوِ تجسس ، زبان صرفِ درود ؟

یہ کس نے توڑ دیا بربطِ حیات کا تار ؟
یہ بن رہا ہے دلِ کہکشاں میں کس کا مزار ؟

چلی تو تھی چمنستاں میں میرے بادِ مراد
ہزار حیف کہ تھا گھات میں مگر صیاد

ابھی تو ضبط کا پہلا سبق تھا وردِ زباں
ابھی تو کل ہی کیا تھا یہ دشتِ خشک آباد

جگر سے اٹھنے لگا شیون و بکا کا شور
میں کر رہا تھا مسرت کے زمزمے ایجاد

یہ کس کے نور سے پر نور ہے بساطِ فلک
یہ کس کو ڈھونڈ رہے ہیں مدینہ و بغداد ؟

لحد میں کانپ اٹھی خاکِ رومی و حافظ
لرز کے سہم گئی روحِ مانی و بہزاد

فضائے تیرہ میں یہ گونجتا ہے کس کا نام ؟
یہ کس کو دستِ اجل سے ملی حیاتِ دوام ؟

جہانِ شعر کا پروردگار تھا ، نہ رہا
وہ اک قلندرِ عالی‌وقار تھا ، نہ رہا

وہ عقل و عشق کے اسرار کا تھا گنجینہ
وہ میکدے میں اک ہوشیار تھا نہ رہا

وہ رندِ بلانوش چل بسا ہیہات
وہ ایک عابدِ شب زندہ‌دار تھا ، نہ رہا

وہ اک فقیر وہ اک صاحبِ جلال و کمال
وہ ایک سادہ دل و پختہ کار تھا ، نہ رہا

بتایا جس نے مسلماں کو عشق کا مفہوم
مجاہدوں کی ہے تقدیر بے نیازِ نجوم

اسی کے دم سے تھی باقی قلندری کی شان
قلندری میں نمایاں سکندری کی شان

اسی کے دم سے قلم کا وقار باقی تھا
قلم کی نوک میں شمشیرِ حیدری کی شان

اسی کے خامے نے ہندوستاں کو دکھلائی
خدا خدا کی بلندی بری بری کی شان

میں کیا بتاؤں کہ کیا شے تھا اس کا فقرِ غیور
کہ بے زری میں تھی پیدا تونگری کی شان

اسی سے زندہ تھا اندازِ غالب و رومی
اسی کے دم سے تھی مشرق کی شاعری کی شان

اسی نے فاش کیا راز زندگانی کا
غرور توڑ دیا دورِ آسمانی کا

کبھی نہ بھولوں گا میں حرفِ محرمانہ ترا
خودی تری ہے تو، دنیا تری، زمانہ ترا

نگاہیں کانپ اٹھیں اور فلک کو چیر گئیں
پڑا جو غیرتِ ملت پہ تازیانہ ترا

وہ فقر فقر ہے جس میں ہو قوتوں کا پیام
سکھا گیا یہ سبق سوزِ عارفانہ ترا

پھر اس سبق میں حقیقت کا رنگ بھرنے کو
قلندری میں تھا انداز خسروانہ ترا

وہ خاکِ پاک ، وہ جنت ، وہ خطۂ لاہور
رہا ہو جس کی فضاؤں میں آشیانہ ترا

میں اس کی گرد پہ سجدے لٹانے آؤں گا
اور آ کے سنگِ لحد تیرا چوم جاؤں گا

تو کیا گیا ہے کہ کون و مکاں میں دم نہ رہا
ربابِ دل کی نواؤں میں زیر و بم نہ رہا

یہ ایک غم کہ تجھے پھر نہ مل سکوں گا کبھی
اس ایک غم سے مرے دل میں کوئی غم نہ رہا

میں رو رہا ہوں مگر خشک ہیں مری آنکھیں
کہ روتے روتے مرے آنسوؤں میں نم نہ رہا

میں جانتا ہوں کہ فانی ہیں زندگی کے نقوش
میں جانتا ہوں کہ دارا سدھارا ، جم نہ رہا

مگر مری تو خدا سے یہی شکایت ہے
مرے لیے ترے دربار میں کرم نہ رہا

کرم کیے تھے تو اب ان کے مجھ سے دام نہ لے
الٰہی اپنے غلاموں سے انتقام نہ لے

مگر اجل ہی حقیقت میں ہے خدا کی دلیل
اسی نقاب میں ہے پیکرِ جلیل و جمیل

دراصل موت بھی منزل ہے زندگانی کی
کہ جیسے دشت میں کچھ دور ہو ہجومِ نخیل

کسے خبر ہو ترے بازوؤں کی قوت کی
جو پتھروں میں نہ گھس جائے تیری تیغِ اصیل

کہیں جہاں میں ان کا نشاں نہ مل سکتا
اگر نہ بحر میں گرتے فرات و دجلہ و نیل

نہیں دلوں کو دکھاتی ہرانی جائے قیام
نئے جہان دکھاتا ہے جب پیامِ رحیل

کہاں ہے شوکتِ جم اور نغمۂ خسرو ؟
ابھی تو دیکھا تھا اور اب کدھر گیا مہِ نو ؟

غمِ اقبال

دیدۂ اشکبار کو اور نہ اشکبار کر
ملتِ غم‌رسیدہ اب صبر بھی اختیار کر

پھول کی آنکھ بھی ہے ترچشمِ ستارہ بھی ہے نم
شاہدِ کائنات کو اور نہ سوگوار کر

کوندکے سوجِ اشک میں ڈوب نہ جائے برقِ غم
شعلۂ مستقل بنا ، دل میں اسے اتار کر

ماتمِ عارضی کا رخ جانبِ عشق پھیر دے
سوزِ غمِ فراق کو درد سے پائدار کر

جو کہ رموزِ سروری تجھ کو بتا کے چل دیا
ویسے فقیر کے لیے صدیوں اب انتظار کر

پردۂ مرگ نے اسے تجھ سے چھپا لیا تو کیا
اپنی حیاتِ عشق میں تو اسے آشکار کر

ہے یہی ماحصل اسد اس کے پیامِ خاص کا
عشق سے زندہ کر خودی فقر سے استوار کر

اقبال

دیارِ ہند میں آوارہ تھی جو بوئے لطیف
اڑا کے لے گئی اس کو ہوائے ذوقِ وصال

لبِ نیاز پہ لرزاں تھی جو نوائے سروش
پہنچ گئی وہ تڑپ کر سرِ حریمِ جمال

کہاں ہے آج وہ آئینہ‌دارِ حسنِ خودی
جلائی برقِ حقیقت سے جس نے شمعِ خیال

کہاں ہے آج وہ نغمہ‌طرازِ سازِ الست
دلوں میں پھونک دی جس کی نوا نے روحِ بلال

درازدستیِ فطرت سے ہو گیا خاموش
وہ سازِ عشق کہ جس کی نوا تھی بادِ شمال

خزاں کی تند ہواؤں کی تاب لا نہ سکی
وہ شمع تھا مہ و پرویں کی طرح جس کا جمال

تجھے خبر بھی ہے اے دستِ بے‌پناہِ اجل
تری جفا سے ہوئی کشتِ عاشقی پامال

تجھے خبر بھی ہے اے رستخیزِ بادِ فنا
کہ بجھ گئی تری جولانیوں سے شمعِ کمال

ہوا خموش مدینے کا سازِ روح گداز
نوائے طوطیِ بامِ حرم ہے بے پر و بال

کہاں وہ سوز نواہائے زندگی افروز
کہاں وہ لطفِ تب و تابِ محفلِ اقبال

نظر میں اب بھی ہیں نقشے وہی سہانے ہوئے
عروسِ شعر ہے ماتم میں سر جھکائے ہوئے

اقبال

اے شہنشاہِ سخن اے تاجدارِ شاعری
حضرتِ اقبال اے پروردگارِ شاعری

سالک راہ ہدیٰ خضرِ صراط المستقیم
تجھ کو بخشا تھا خدا نے جوہرِ عقلِ سلیم

سرمدی نغموں سے تھا معمور تیرا سازِ عشق
آشکارا کر دیا عالم پہ تونے رازِ عشق

اے مسیحائے سخن اے ناخدائے زندگی
تیری ہر لے میں تھی پوشیدہ نوائے زندگی

فقر کی تعلیم اس پیرائے میں دیتا تھا تو
دل امیروں اور شہنشاہوں کے موہ لیتا تھا تو

کون آ کر پھر بتائے گا ہمیں رازِ خودی
کون پھر چھیڑے گا آ کر بربطِ سازِ خودی

کون دے گا آ کے پھر پیغامِ آزادی ہمیں
کون دے گا بادۂ گلفامِ آزادی ہمیں

آ کہ تیری جانفشانی یاد آتی ہے ہمیں
یاد تیری خون کے آنسو رلاتی ہے ہمیں

آ تجھے سمجھا ہے ہم نے قوم کے غمخوار آ
قدر تیری ہم نے جانی سیدالاحرار آ

ملتِ اسلام کے اے قافلہ سالار آ
پھر غلام آباد میں بہرِ خدا اک بار آ

اقبال

مرگ نے بھینچ لیا تیرے تنِ خاکی کو ،
تو مگر مر نہ سکا ،
قبر تیرے لیے آغوش کشا بیٹھی تھی
مرگ سمجھی تری منزل ہے یہی
ان ستاروں سے پرے اور بھی دنیائیں ہیں
اسے معلوم نہ تھا
مرگ خود شہپرِ پرواز بنی
روحِ بے باک نے خورشید کا سامانِ سفر تازہ کیا
راہ تکتی ہی رہی قبر کہ اب آتا ہے
کتنی افسردہ و مایوس ہے قبر
قبر کی منزلِ تاریک ترا مسکن ہو ؟
تو کہ "روشن ہے جبیں" تیری ستاروں کی طرح !
بے خبر تھی ترے جوہر کی نواتابی سے

گرمیِ عشق نے کی تیرے وہ مشعل روشن
جس کے شعلے کی لپک ہے ابدیت بکنار
مرگ بیٹھی ہی رہے گی تیرے مرقد کے حضور
تو چمکتا ہی رہے گا سرِ دامانِ سحاب

*

اقبال

(۱)

مدفن ہے ترا مخزنِ سرمایۂ احساس
اس چشمۂ عرفاں سے بجھاتا ہے جہاں پیاس

ہوتی ہے یہاں بارشِ انوارِ الٰہی
مردانِ حق آگاہ کا جمگھٹ ہے ترے پاس

(۲)

کاشفِ حکمتِ فطرت ہے کلامِ اقبال
زیست کی روح سے لبریز پیامِ اقبال

وہ درخشندہ رہے گا صفتِ مہرِ منیر
ثبت بر صفحۂ عالم ہے دوامِ اقبال

آہنگِ فنا

الاماں از جفائے چرخِ کہن
چاک ہے جس سے صبر کا دامن

ہاتھ سے اس کے کس کو راحت ہے
جس کو دیکھا وہی اسیرِ محن

راکبِ توسنِ ہوائی ہے
روند ڈالے ہزار ہا گلشن

خنجرِ ماہِ نو سے کاٹتا ہے
ہر امیر و فقیر کی گردن

اس کے جور و جفا نے وا اسفا !
ہم سے چھینا ہے کردگارِ سخن

قلبِ شاہیں کو چھیدنے والا
دلِ یزداں کریدنے والا

دستِ ظلم و ستم سے ظالم نے
ہند کا افتخار چھین لیا

جس کے سینے میں دردِ ملت تھا
ہم سے وہ غمگسار چھین لیا

مرتضیٰ احمد خاں میکش

حضرتِ اقبال کا مزار

جانبِ شرق جو ہے مسجدِ شاہی کا منار
ایک دن میں نے سنی اس پہ مؤذن کی پکار

غلغلہ کلمۂ توحید کا ہوتا تھا بلند
ساتھ ہی نعرۂ تکبیر کی بھی تھی تکرار

وہ یہ کہتا تھا کہ "آرام سے بہتر ہے نماز"
وہ صدا دیتا تھا "اے نیند کے ماتو ہشیار"

اس کی آواز میں اک سوز کی دنیا تھی نہاں
لرزہ انگیز تھی اس مردِ خدا کی للکار

اس کی لے سے تھی مرے قلب کی دنیا محرم
اس کی آواز سے تھی میری سماعت حظ دار

اس کی آواز رہِ گوش سے دل میں اتری
کر گئی روح کے خوابیدہ قویٰ کو بیدار

جا کے دیکھا تو ملی حضرتِ اقبال کی روح
جس کے پاؤں میں مری جان ہو سو بار نثار

مجھ کو دیکھا تو کہا ، خوف تحیر کیوں ہے
اپنے مرنے کا مجھے بھی ہے مکمل اقرار

لیکن اس حال میں بھی میرا وظیفہ ہے وہی
ہو گیا جس میں مرا جامۂ ہستی صد تار

زندگی میں جرسِ قافلہ کہتے تھے مجھے
اب مؤذن ہوں میں در حلقۂ بزمِ ابرار

ماذنہ مسجدِ شاہی کا جو ہے کاخِ بلند
دیکھ اس کاخ کے سائے میں بنا میرا مزار

عبدالحکیم خاں نشتر جالندھری

وصالِ اقبال

دنیا سے اٹھا راج دلارا اقبال
نظروں سے چھپا راج دلارا اقبال
ہر لحظہ ہے یوں نوحہ سرا مادرِ ہند
پیارا اقبال ، ہائے پیارا اقبال

* * *

اسرار خودی کے کون سمجھائے گا
خود تڑپے گا کون ، کون تڑپائے گا
اسلام اسی غم میں گھلا جاتا ہے
دانائے رموزِ عشق ، کون آئے گا

* * *

محسودِ شہاں ، مردِ قلندر نہ رہا
محکوم کا ، مظلوم کا داور نہ رہا
یوں مرثیہ خواں ہے عالمِ نوعِ بشر
آزادیِ انساں کا پیمبر نہ رہا

خدا بخش اظہر امرتسری

عقیدت کے آنسو

اقبال ، اے سپہرِ بلاغت کے آفتاب
ہو گا نہ کوئی ملکِ سخن میں ترا جواب

پل کر ہوا جواں تری آغوشِ فکر میں
کہتے ہیں جس کو اہلِ جہاں جوشِ انقلاب

تو نے اٹھا کے پردۂ فطرت دکھا دیا
دریا میں دشت ، دشت کے آغوش میں سراب

تیرا دماغ مطلعِ خورشیدِ معرفت
تیرا خیال علم و حقیقت کا ماہتاب

جس سے تھے مست ، بادہ کشانِ حنین و بدر
تو نے پلائی شعر کے ساغر سے وہ شراب

تعبیر جس کو ڈھونڈتی پھرتی ہے چار سو
تو نے دکھا دیا وہ نئی زندگی کا خواب

کتنی حیات بخش ہے تیری نوائے شوق
پیرِ جہاں نے چھیڑ دیا نغمۂ شباب

تو نے بتائی قوم کو تدبیرِ زندگی
پھیلی ترے کلام سے تنویرِ زندگی

اقبال اے پیمبرِ ایمانِ انقلاب
تو نے پڑھایا مصحفِ عرفانِ انقلاب

باقی اگر ہے فیض تری موجِ طبع کا
اٹھے گا بحرِ ہند سے طوفانِ انقلاب

تارِ رگِ حیات سے باندھیں گے نوجواں
توڑا جو چرخِ پیر نے پیمانِ انقلاب

آنے کو ہے وہ روز کہ معشوقۂ فرنگ
مانگے گی منہ چھپانے کو دامانِ انقلاب

مشرق کی کالی رات سے پھیلے گا نورِ صبح
ہوگا طلوعِ مہرِ درخشانِ انقلاب

شاداب ہوگا بارشِ لطفِ کریم سے
صحرائے انقلاب و گلستانِ انقلاب

بانگِ درا ، زبورِ عجم ، بالِ جبرئیل
ہوں گے جدید عہد میں ارکانِ انقلاب

اقبال کے کلام میں غلطاں ہے جس کا نور
چرخِ کہن سے ہوگا اسی چاند کا ظہور

مانندِ ابرِ فیض گلستانِ ہند پر
برسا ، برس کے غنچۂ وحدت کھلا گیا

آیا تھا لے کے خلد سے پیغامِ زندگی
پیغام دے کے خلد کو واپس چلا گیا

سازِ حیات چھیڑ کے مضرابِ عشق سے
نغموں سے دردِ دل کی کہانی سنا گیا

وہ سحرِ پر اثر جسے کہتے ہیں لوگ شعر
اس سحر سے وہ رازِ دو عالم بتا گیا

سوئی پڑی تھی قوم ہلاکت کی نیند میں
ہنگامۂ حیات و عمل سے جگا گیا

شامِ سیاہِ ہند میں جس سے تھی روشنی
دستِ اجل وہ شمعِ منور بجھا گیا

اے شاہِ شاعرانِ زمانہ ترا وصال
بزمِ سخن کو محفلِ ماتم بنا گیا

لیکن ترے کلام سے زندہ ہے تیرا نام
جاری ہے حشر تک ترا دریائے فیضِ عام

مرثیہ

آج وہ مردِ خوش بیاں چپ ہے
جس کی چپ سے بس اک جہاں چپ ہے

فلسفے کا دماغ مختل ہے
شاعری مہر بر زباں ، چپ ہے

ہے فصاحت جو سر بزانوے غم
تو بلاغت بھی نیم جاں چپ ہے

لالہ و گل کا ترجماں نہ رہا
سخت صدمہ ہے گلستاں چپ ہے

آج چپ لگ گئی ستاروں کو
جن کی گردش کا رازداں چپ ہے

بزمِ الفت میں ہو کا عالم ہے
ایک شوریدہ داستاں چپ ہے

ہو گیا سرد عشق کا بازار
کہ وہ سوداگرِ زماں چپ ہے

محفلِ نعت ہو گئی سونی
کہ محمدؐ کا مدح خواں چپ ہے

کیوں نہ غم سے نڈھال ہو وہ قوم
جس کی عزت کا پاسباں چپ ہے

مل گیا خاک میں غرورِ حیات
جس کی عظمت کا ترجماں چپ ہے

روشنی کو زوال ہے اکبر
کہ وہ شیدائے داستاں چپ ہے

*

نذرِ اقبال

چشمِ شاعر ہے اسی طرح سے اب بھی بے خواب
چھیڑتی ہے رگِ احساس کو غم کی مضراب

کوئی دیتا نہیں فطرت کے سوالوں کا جواب
روز اٹھتی ہے یوں ہی روئے مشیت سے نقاب

کوئی اقبال سا اب دیکھنے والا ہی نہیں
"جلوۂ طور تو موجود ہے، موسیٰ ہی نہیں"

آج وہ گرمیِ محفل کسی محفل میں نہیں
موجیں بے تاب ہیں جنبش لبِ ساحل میں نہیں

اب کوئی رہبرِ کامل رہِ منزل میں نہیں
شاید اس کا کوئی احساس کسی دل میں نہیں

تجھ میں آیا تھا جو دنیا، نئی دنیا لے کر
"اب اسے ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر"

اب وہ تحریر میں اقبال کا انداز کہاں
سرمدی سوز میں ڈوبی ہوئی آواز کہاں

کیف اشعار میں وہ لطم میں اعجاز کہاں
تار ہی ٹوٹ گئے ساز کے ، تو ساز کہاں

روح بے تاب ہے اردو کی مچلنے کے لیے
"طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے"

پردۂ شعر میں تصویرِ حقیقت رکھ دی
طاقِ نسیاں پہ فرسودہ حکایت رکھ دی

سامنے قوم ہی کے قوم کی قسمت رکھ دی
قالبِ شعر میں روحِ فن و حکمت رکھ دی

مشعلِ نور اندھیرے میں جلائی کس نے
"بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے"

لظمِ تخلیق میں خودداریِ دنیا کیا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ تماشا کیا ہے

میں ہلاکِ غمِ امروز ہوں فردا کیا ہے
مجھ سے کیا پوچھتے ہو میری تمنا کیا ہے

مرگ اقبال سے وہ رنج و محن ہے مجھ کو
"شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو"

غمِ اقبال

اب کہاں بزم نشیں ہے اقبال
ساکنِ خلدِ بریں ہے اقبال

فلکِ فلسفہ و حکمت کا
لاجرم ماہِ مبیں ہے اقبال

فرض کیجے جو جہاں کو خاتم
اس کا تابندہ نگیں ہے اقبال

ہے عناصر کا بگڑ جانا موت
غور کر دیکھیں، یہیں ہے اقبال

مردِ مومن کا یہی مرنا ہے
دیکھیے خندہ جبیں ہے اقبال

خلشِ زیست سے تھک کر آخر
سو گیا زیرِ زمیں ہے اقبال

جناب مخمور جالندھری

علامہ اقبال کی یاد میں

یہ مانا سب کو اک دن تلخ جامِ موت پینا ہے
یہ مانا اس خراب‌آباد میں دو روز جینا ہے

مگر تا حشر جن کی موت پر روئے گی یہ دنیا
وہ تھے اقبال، جن کے غم میں جاں کھوئے گی یہ دنیا

غنیمت ہیں وہ بعد موتِ بھی جو زندہ رہتے ہیں
جو سورج بن کے ظلمت زار میں تابندہ رہتے ہیں

جہاں میں موت سے ڈرتا نہیں آتش‌نوا شاعر
جہاں فانی سہی، مرتا نہیں معجز‌نما شاعر

ترے اشعار اے اقبال درسِ دین و حکمت ہیں
سکونِ خاطرِ غم‌گیں ہیں اور شمعِ ہدایت ہیں

تو اب بھی رہبرِ منزل ہے میرِ کارواں ہو کر
ابھی تک تیرے نغمے گونجتے ہیں داستاں ہو کر

تری نظمیں ہیں عرفانِ خودی کا شاہکار اب بھی
ترا پیغامِ آزادی ہے درسِ کامیاب اب بھی

حقیقت پاش جلوؤں کی امیں فکرِ رسا تیری
کہ ہے اوجِ ثریا پر مکیں فکرِ رسا تیری

تو اب بھی دستگیری کر رہا ہے بے نواؤں کی
غلاموں ، فاقہ مستوں ، بیکسوں غم آشناؤں کی

ترے دیواں کا ہر ہر شعر ہے جانِ طرب اب بھی
تجھے کہتے ہیں سب پیغمبرِ علم و ادب اب بھی

*

علامہ اقبال

زندہ دارِ سوز و سازِ پیرِ روم
آخریں پروانۂ شمعِ علوم

ترجمانِ سطوت و اقبالِ ما
ماضی و حال و استقبالِ ما

جاں فدائے رحمت للعالمیں
آشنائے امتِ خیرالامیں

بے نیاز از عز و انساب و وطن
بت شکن از دودمانِ برہمن

مخزنِ احکامِ دیں تقریرِ او
درسِ آیاتِ مبیں تحریرِ او

نوجہانے معرفت تعمیر کرد
فکر و ذوقِ قوم را تطہیر کرد

آہِ او در ملتے روحے دمید
جذبۂ عشقِ محمدؐ آفرید

مهر و ماهِ درس گاهِ لا اله
گوید الا الله از فیضِ نگاه

فکرِ او افسونِ لادینی شکست
حرفِ او تریاقِ زهرِ مغرب است

فلسفه آموختِ المانیان
کرد شرحِ حکمتِ ایمانیان

علمِ قرآن شرحِ صدرِ او نمود
عشق و دین بخشید ریب و شک ربود

شاعری مرهونِ او ممنونِ او
معنیِ علمِ بیان مفتونِ او

شاعرِ مرتاض ، نباضِ امم
از زبورش ناز فرماید عجم !

مولانا یوسف سلیم چشتی

موت العالِم موت العالَم

"آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں"
بر وفاتِ شاعرِ مشرق، سراجِ علمِ دیں

آشنائے رمزِ قرآں، واقفِ سرِّ خودی
تاجدارِ ملکِ معنی، حامیِ دینِ نبیؐ

غمگسارِ ملتِ بیضا، نقیبِ مصطفٰی
عاشقِ روئے نبیؐ، سرخیلِ اربابِ صفا

فیلسوف و نکتہ سنج و صاحبِ ضربِ کلیم
آنکہ از تیغِ کلامش، پیکرِ باطل دو نیم

آں کہ مشرق را پیامِ زندگانی بازداد
حق تعالیٰ بر مزارِ پاکِ او رحمت کناد

نوحۂ اقبال

کیوں روئیں نہ ہم آج فغاں ساز نہ ہوں کیوں
غم ہائے زمانہ پہ ہوا ایک غم افزوں

کیوں آنکھ سے بہہ جائے ہماری نہ یم خوں
پھر خندہ کناں آج ہوا ہم پہ یہ گردوں

ہاں روٹھ گیا ہم سے وہ اقبال ہمارا
اردو کا خزانہ جو تھا وہ لٹ گیا سارا

وہ دل کہ تھا سیماب کی مانند پریشاں
رگ رگ میں بپا جس کی تھا ایمان کا طوفاں

کھولایا تھا جس سوز نے پھر خونِ مسلماں
صد حیف وہ جاں بخشنے والا ہوا بے جاں

اقبال کا پیغام مئے عشق سے سرشار
کرتا رہے گا مومنوں کی مستیاں ہشیار

حاجی غلام نظام الدین سجادہ نشین تونسہ شریف

ہو گیا ہے ترجمانِ ملتِ بیضا خموش

ارتقاے آدمِ خاکی کی ہے تمہیدِ موت
زندگی فانی ہے اور ہے زندۂ جاوید موت

ظلمتِ شب میں مسافر کے لیے خورشید موت
کائناتِ دہر کے آرام کی تردید موت

موت سازِ زندگی کا نغمۂ خاموش ہے
انجلاے روح بن کر روح میں روپوش ہے

دیدۂ ہستی ہے ظاہر بیں حقیقت بیں نہیں
حادثاتِ غم پہ خاموشی مرا آئیں نہیں

گفتنی احوالِ جانِ مضطر و غمگیں نہیں
اب کسی پہلو دلِ مجروح کو تسکیں نہیں

ابرِ رحمت دامن از گلزارِ من برچید و رفت
اندکے بر غنچہ ہاے آرزو بارید و رفت

غرقِ خوں کردے مجھے اے دیدۂ خوننابہ بار
کیفِ غم نے کھو دیا ہے زندگی کا اعتبار

ہر نفس سینے میں کیا ہے ایک تیغِ آبدار
دامنِ امیدِ ملت ہو گیا ہے تار تار

ہو گیا ہے ترجمانِ ملتِ بیضا خموش
جس کے ہنگاموں سے تھی چشمِ جہاں حیرت فروش

کون چھیڑے گا محبت آفریں نغموں کا ساز
کون سمجھائے گا ہم کو فطرتِ ہستی کا راز

گرمیِ گفتار سے اب کس کی ہوں گے دل گداز
کس کے اندازِ تکلم پر کرے گا دہر ناز

رحلتِ اقبال سے سارا جہاں ماتم میں ہے
یہ زمیں ماتم میں ہے یہ آسماں ماتم میں ہے

نواب احمد یار خاں دولتانہ

آہ اقبال

اس کی رحلت ایک قومی حادثے سے کم نہیں
کیوں نہ ہو ماتم کناں ہر خاص و عام اقبال کا

مانتے ہیں ہندو و مسلم اسے خضرِ طریق
تھا دلوں میں سب کے یکساں احترام اقبال کا

شرق سے تا غرب اس کی شاعری کی دھوم تھی
کون ہے جس کو نہیں معلوم نام اقبال کا

بن گیا افسوں دلِ اقوامِ عالم کے لیے
اک حیاتِ تازہ کا حاصل پیام اقبال کا

کر دیے فاش اس نے اسرارِ نہانِ زندگی
سر دھنیں گے لوگ پڑھ پڑھ کے کلام اقبال کا

اس کی رفعت تک نہیں ہوتا تخیل کا گزر
کیا کہوں ہے کس قدر عالی مقام اقبال کا

کلکِ قدرت کا نوشتہ مٹ نہیں سکتا کبھی
ثبت ہے تاریخِ ہستی پر دوام اقبال کا

* * *

نوحۂ غم

پھر حشر اٹھانے پہ تلا چرخِ کہن آج
اور آ گئی پھر دفترِ قسمت پہ شکن آج

پھر سینۂ اسلام ہوا زخموں سے چھلنی
پھر چرخِ ستم گار ہوا تیر فگن آج

صد حیف کہ اقبال جدا ہو گئے ہم سے
افسوس ! کہ بے بار ہوا نخلِ وطن آج

اس رنج میں بے نور ہوئے دیدۂ نرگس
اور شعلۂ جاں سوز بنی ہوے سمن آج

رخصت ہوا محفل سے وہ اسلام کا فرزند
جس کے لیے ماتم میں ہیں ہند اور ختن آج

جس بلبلِ ہندی کا ترانہ تھا حجازی
اس بلبلِ خوش لحن سے خالی ہے چمن آج

جس مردِ قلندر نے کیا سرِّ خودی فاش
افسوس کہ خاموش ہے وہ زیرِ کفن آج

جس پھول سے وابستہ تھیں ملت کی امیدیں
وہ پھول ہوا صرفۂ تاراجِ چمن آج

تاریک و سیہ پوش ہوا مطلعِ امید
ڈوبا افقِ ہند سے اسلام کا خورشید

اقبال

روح و روانِ دوستی ، مہرِ منیرِ علم و فن
آج ترے فراق میں جانِ جہاں ہے ہُر حزن

ختم تھی تجھ پہ دوستی ، جس کا بنا رفیق تو
اس سے رہا تو ہم‌نوا مثلِ عنادلِ چمن

چشمۂ علم سے ترے نہرِ حکم رواں مدام
فکرِ رسا تری سدا باعثِ حیرتِ زمن

دورِ جدید میں اگر فکرِ جدید کا ظہور
ہوتا تھا تیری قوم کے فکرِ صحیح میں خندہ زن

طبعِ غیور میں تری اٹھتا تھا ایک ولولہ
ہاتفِ غیب بن کے تو دل پہ تھا روشنی فگن

کون بنے گا تیرے بعد دینِ ہدیٰ کا ترجماں
آئے گا کب جہان میں تجھ سا پیمبرِ سخن

مرقدِ اقبال

وہ کہ جس کے دم سے تھیں بزمِ خودی کی رونقیں
واقفِ رازِ خودی تھا، عاشقِ نامِ رسولؐ

جس نے ملت کے دلوں میں بھر دیا سوزِ بلالؓ
جس نے ملت کو سکھائے زندہ رہنے کے اصول

جس نے ضربِ لا سے توڑا تھا طلسمِ رنگ و بو
جس کو عالمگیر انسانی اخوت تھی قبول

جس نے قلبِ ہند میں پھونکا تھا صورِ انقلاب
جس کا دل تھا قیصریت کے مظالم پر ملول

وہ قلندر جس نے مشرق سے کہا بیدار شو
جس نے ملت سے کہا تقلیدِ مغرب ہے فضول

وہ قلندر جس نے افشا کر دیا سرِّ حیات
آج اس کی قبر پر ہے رحمتِ حق کا نزول

میں نے کل شب خواب میں دیکھا یہ نظارہ عجیب
عرفی و رومی و خاقانی کھڑے تھے سب ملول

کہہ رہے تھے مرقدِ اقبال پر مولائے روم
ترکِ خوابِ خویش کن اے واقفِ رمزِ رسولؐ

شاعرِ مشرق

آسمانوں سے گزر جاتی تھی جس کی جستجو
بندگی میں جس نے کی تھی اپنے رب سے گفتگو

عرشیوں کے دل ہلا دیتا تھا جس کا اضطراب
ذاتِ باری نے دیا تھا جس کے شکوے کا جواب

جس کی آہوں کے شرارے دل کو گرماتے رہے
جس کے آنسو کوثر و تسنیم چھلکاتے رہے

جس کی الجھن تھی مسلماں کے لیے وجہِ سکوں
تھا خرد آموزِ مشرق جس کا اندازِ جنوں

بے خودی میں جس کی احساسِ خودی کا راز تھا
سوز کے پردے میں جس کا ہر نفس اک ساز تھا

کس لیے روتا ہے ؟ اس کی موت پر اے کم نظر
موت اک موہوم پردا ہے ثباتِ زیست پر

مردِ مومن مسکراتا ہے اجل کو دیکھ کر
قید و بندِ زندگی کے ماحصل کو دیکھ کر

ڈھونڈتا ہے بحر میں ساحل سفینے کے لیے
زندۂ جاوید مرتا بھی ہے جینے کے لیے

تن ہوا ٹھنڈا تو کیا، ہے روح گرمائی ہوئی
موت کے پردے میں بھی ہے زندگی آئی ہوئی

چیر کر سینے کو داغِ دل دکھانے کے لیے
عرش پر روٹھے ہوئے رب کو منانے کے لیے

خلد کو اپنے ترانوں سے سجانے کے لیے
اڑ گئی بلبل قفس سے آشیانے کے لیے

محرمِ منزل تھا، رستے میں ٹھہر سکتا نہیں
کہہ رہی ہے زندگی، اقبال مر سکتا نہیں

آہ ! سر محمد اقبال (مرحوم)

کیا بات ہے کہ آج طبیعت اداس ہے
ہر چیز ایک پیکرِ اندوہ و یاس ہے

رہ رہ کے اٹھ رہی ہے کلیجے میں ہوک سی
معمول سے زیادہ ہے کچھ دل کی بے کلی

آنکھوں کا حال وہ ہے کہ دیکھا نہیں کبھی
سوزِ دروں کی آگ سے اشکوں کی ہے جھڑی

دریا کو موج پاؤں کی زنجیر بن گئی
دنیا غم و ملال کی تصویر بن گئی

گل رو چمن سراؤں کے خاموش ہو گئے
سائے کی چادر اوڑھ ، سیہ پوش ہو گئے

رندوں کے حلقے میں صفِ ماتم بچھی ہے آہ
جام و سبو شکستہ ہیں ، اللہ کی پناہ

درد و الم سے حشر بداماں ہیں بحر و بر
گویا جہان عرصۂ محشر ہے سربسر

آخر یہ بات کیا ہے قیامت ہے کیوں بپا
سر پر زمین والوں کے کیا آسماں گرا

ہاں ہاں سنو سنو ، وہ صدا آ رہی ہے کیا
اقبال آج آہ جہاں سے گزر گیا

* * *

اے دل تڑپ تڑپ کہ تڑپنے کا ہے مقام
اے آنکھ خوں فشاں ہو کہ تیرا یہی ہے کام

سر پیٹ سینہ کوب ہو اے دستِ بد نصیب
ڈوبا ترا ستارہ تو پھوٹے ترے نصیب

اٹھ اور پھینک جامۂ ہستی اتار کے
ذرے اڑا دے پھر مری مشتِ غبار کے

اقبال کے بغیر کہاں زندگی کا لطف
بے آفتاب خاک ہے تابندگی کا لطف ؟

* * *

ہے نوحہ گر وطن کہ مرا قدر داں اٹھا
ہندوستاں سے عاشقِ ہندوستاں اٹھا

سارے جہاں سے اب مجھے اچھا کہے گا کون
آزاد دیکھنے کو تڑپتا رہے گا کون ؟

اب کارواں کدھر ہو رواں رہنما نہیں
منزل ہے بے سراغ کہ بانگِ درا نہیں

* * *

اسلام اپنی لے میں ہے یوں مرثیہ طراز
مضراب کا پتہ نہیں ٹوٹا پڑا ہے ساز !

نغمے خودی کے آہ سنائے گا کون اب
اسرار زندگی کے بتائے گا کون اب

جہد و عمل کا درس جو دیتا تھا چل بسا
جو کشتیِ حیات کو کھیتا تھا چل بسا

دانائے رازِ عشق زمانے سے اٹھ گیا
سونا پڑا ہے میکدہ عرفانِ نفس کا

* * *

ہے دردناک عالمِ انسانیت کا حال
اس کی بہار دستِ خزاں سے ہے پائمال

ہیں نوحہ‌خواں غریب کہ اوتار اٹھ گیا
سب سے بڑا ہمارا مددگار اٹھ گیا

دکھڑا ہمارا کون خدا کو سنائے گا
رحمت کا مژدہ عرش سے اب کون لائے گا

حریت اور عدل کا پیغام گر اٹھا
رتبہ فراز و سونس نوعِ بشر اٹھا

* * *

اردو ہے سوگوار کہ اجڑا مرا سہاگ
اقبال سر سے اٹھ گیا پھوٹے ہیں میرے بھاگ

پہنچا کے مجھ کو عرش پہ زیرِ زمیں چھپا
وہ خاتمِ سخن کا درخشاں نگیں چھپا

* * *

دنیاے فارسی میں قیامت بپا ہوئی
عشرت سرا جو کل تھی وہ ماتم سرا ہوئی

خاموش ہے نظیری و رومی کا ہم نوا
آتی ہے قصرِ شعر سے پیہم یہی صدا

اے واے صدرِ محفلِ ایرانیاں نماند
اے واے فخر و نازشِ ہندوستاں نماند

* * *

تو مر گیا ؟ نہیں نہیں زندہ ہے آج بھی
انجام کب ہے یہ تو ہے آغازِ زندگی

دامن ترا حیات کے پھولوں سے بھر گیا
تجھ کو کلامِ زندۂ جاوید کر گیا

ٹکڑا بہشت کا ترا کنجِ مزار ہو !
دُر پاش ابرِ رحمتِ پروردگار ہو !

*

آہ! علامہ سر اقبال

کاشانۂ ہستی سے اقبال ہوا راہی
فطرت نے بلا بھیجا فطرت کا نمائندہ

ممکن نہیں گردوں سے اب اس کی تلافی ہو
ملت مری کھو بیٹھی وہ گوہرِ تابندہ

ہستی کی نشیبوں سے صدیوں نہیں مل سکتے
وہ عشقِ فلک پیما، وہ عقلِ فرازندہ

تاروں سے بہت آگے جاتی تھی نظر جس کی
رخصت ہوا گردوں سے وہ کوکبِ رخشندہ

وہ بندۂ حق آگہ بتلا گیا دنیا کو
بڑھتی نہیں ملت جو باطل سے ہے ترسندہ

رہنے اسے دیتا کیوں وہ محفل امکاں میں
تھا اس کا تخیل جو کونین کا تازندہ

اس بندۂ مومن کو فانی نہ سمجھ اے زیب
ایماں ہی تو دنیا میں اک چیز ہے پائندہ

سکندر علی وجد

پیامِ اقبال

دم بہ دم نالہ نہ کر مثلِ سپند
آتشِ غم کا مداوا زہرخند

فرضِ انساں ، سعی و جہد و ذکر و فکر
چند روزہ زندگی کے کام چند

طالبِ حق مطمئن ، مستِ عمل
طالبِ زر ، خوار و مایوس و نژند

نورِ ایماں ، باعثِ آرامِ جاں
بے یقینی وجہِ صد رنج و گزند

زورِ بازو آزمانے کے لیے
ڈال مہر و ماہ و انجم پر کمند

دوسروں کی آنکھ سے دنیا نہ دیکھ
رہنما اپنی نظر ، اپنی پسند

جسم کی پابندیاں کچھ بھی نہیں
رکھ تخیل کو سدا بے قید و بند

مردِ مومن کی متاعِ زندگی
سادگی ، فکرِ رسا ، عزمِ بلند

جستجو میں گرمیِ برقِ تپاں
گفتگو میں کیفِ روحِ شہد و قند

فاش کر دیتی ہے اسرارِ حیات
سو دبستاں ، اک نگاہِ ہوش مند

محمد اقبال

فنا پر خندہ زن اقبال عالی گوہری تیری
کہ ہے صورت نما اللہ کی صورت‌گری تیری

لرز جاتا ہے جذبِ عشقِ حق سے عرش کا پایہ
ہٹاتی ہے پرے جبریل کو بھی بے پری تیری

پھر اب کروبیانِ عرش کو اک سجدہ لازم ہے
عروجِ آدمِ خاکی کا زینہ رہبری تیری

اناالحق گو ہے عشق حق میں بندوں کی خود آگاہی
بناتی ہے خدا، انسان کو صنعت گری تیری

سکھانے چیونٹی کو تو نے آدابِ سلیمانی
گدا ہو خسروی جس کی، وہ دولت بے زری تیری

رسول اللہؐ کے پیغام کی تفسیر کی تو نے
چلی ختم الرسلؐ کے بعد بھی پیغمبری تیری

یہ فوق الخلق تخلیق اور یہ صد جلوہ پیدائی
مسلم ہے جہانِ شاعری میں داوری تیری

* * *

آہ ! سر اقبال

آج رخصت ہوئے دنیا سے جنابِ اقبال
چھپ گیا زیرِ زمیں ملتِ بیضا کا ہلال

آج گُل ہو گئی ماتم کدۂ ہند میں شمع
جس کی کرنوں سے منور ہوا فانوسِ خیال

آج رخصت ہوا اقوام و ملل کا محسن
کیوں نہ ہر قلب پہ طاری ہو غم و رنج و ملال

ہندی نغموں میں بھرا سوزِ حجازی جس نے
کشورِ ہند میں تازہ کیا ایمانِ بلالؓ

فیض یاب اس سے ہوئے مشرق و مغرب یکساں
اس کے شرمندۂ احساں ہیں جنوب اور شمال

اس کے نغموں سے ہوا سرِّ خودی کا افشار
تھا یہی اصل میں اس مردِ قلندر کا کمال

دردِ اسلام نے رکھا سدا بے تاب اسے
خوں رلاتا تھا اسے ملتِ بیضا کا زوال

خالی مشرق ہوا اس گوہرِ یک دانہ سے
جس کی ڈھونڈے نہ ملے گی کہیں دنیا میں مثال

خاک میں چھپ گیا وہ مردِ یگانہ صد حیف
جس کی نظروں میں تھا ملت کا عروج اور زوال

پارہ پارہ ہے جگر ، روح پہ غم کا سایہ
اور دلِ مسلمِ بے چارہ ہے صدیوں سے نڈھال

اٹھ گیا آج نقیبِ حشمِ پیغمبر
اٹھ گیا آج زمانے سے محمد اقبال

غمِ اقبال

اٹھا ہے کون کہ اجڑی ہے محفلِ عالم
سنا رہا ہے زمانہ یہ آہ کس کا غم

سیاہ پوش ہیں کیوں آج مشرق و مغرب
بچھی ہے کس کے لیے دہر میں صفِ ماتم

عطا ہوئی تھی جو صدیوں کی آرزوؤں سے
فغاں کہ لٹ گئی وہ بے بہا متاعِ عجم

شرابِ خمکدۂ روم جس میں ڈھلتی تھی
ہزار حیف کہ وہ بزم ہو گئی برہم

اٹھا نہ کوئی بھی تجھ سا دیارِ مشرق سے
صدائے ساز و نواہائے راز کا محرم

ترا ضمیر تھا اسرار کا وہ آئینہ
کہ جس میں عکس فگن تھا رخِ وجود و عدم

تری نظر میں تھا بے پردہ آب و گل کا جہاں
تری نگاہ پہ روشن تھی فطرتِ آدم

پیام بر تھا تو دنیا میں اوج و رفعت کا
کہ تھا تو واقفِ پروازِ قطرۂ شبنم

ہر ایک حرف میں تیرے تھا نغمۂ ایام
صدا سروش کی تھی یا تری نوائے قلم

حصولِ عظمتِ پارینہ کی تمنا میں
رہا ہمیشہ تو ہمت نوازِ "خیرِ امم"

تجھے سناتی تھی نغمے نسیمِ خاکِ حجاز
کہ تھا غلامِ غلامانِ سرورِ عالم ؐ

جنوں نواز تھی از بس ہوائے منزلِ دوست
اسی کے شوق میں کرتا تھا نالۂ پیہم

وہی تھی غایتِ آہ و فغانِ نیم شبی
اسی کی خاک تھی مقصودِ دیدۂ پر نم

کہاں ہے آج وہ سرشارِ دینِ پیغمبر
کہ جس کے شورِ نوا پر فدا تھی خاکِ حرم

نوحۂ اقبال

کس قدر دردآفریں ہے شاعرِ مشرق کا غم
روزِ محشر سے نظر آتا نہیں یہ روز کم

بن گئے ہیں سر بہ سر کاشانۂ رنج و الم
کابل و ہندوستاں ، مصر و عرب ، روم و عجم

فرطِ غم سے گلشنِ اسلام ہے پامال آج
سو گیا ہے استِ مرحوم کا اقبال آج

کون اب تازہ کرے گا آتشِ عشقِ حجاز
کون بخشے گا دلِ عشاق کو سوز و گداز

اب کہاں دیکھے گی چشمِ غزنوی ، حسنِ ایاز
کون سمجھائے گا اس کو معنیِ ناز و نیاز

درد بن کر درد کی کھینچے گا اب تصویر کون
عشق بن کر اب کرے گا عشق کی تفسیر کون

اٹھ گیا دنیا سے میرِ کاروانِ زندگی
جس کے دم پر ناز کرتا تھا جہانِ زندگی

جس کی ہمت سے کھلے سرِّ نہانِ زندگی
جس نے آساں کر دیا تھا امتحانِ زندگی

جس کا ہر اک حرف تھا آئینہ‌دارِ کائنات
جس کا ہر اک لفظ تھا گنجینۂ رازِ حیات

آہ پنہاں ہو گیا دنیا سے وہ دانائے راز
پیکرِ مشرق میں تھا جس کی نوا سے سوز و ساز

ذوقِ پروازِ تخیئل جس کا تھا شاہیں‌نواز
جس کے اندیشے میں تھی اک گرمیِ آہن گداز

آتشِ حسنِ ازل تھی شوخیِ تحریر میں
گرمیِ ذوقِ عمل تھی نالۂ شبگیر میں

اشکِ خونیں

تیرہ و تاریک نظروں میں ، نہ ہو کیوں کر جہاں
سایہؑ اقبال سے محروم ہے ہندوستاں

گونج اٹھی جس کے نغموں سے فضائے بوستاں
اٹھ گیا دنیا سے اب وہ بلبلِ شیریں بیاں

جس کے نغموں کا ترنم ، جاں نوازِ زندگی
جس کا سوزِ دل ہئے ملت تھا سازِ زندگی

قومِ مردہ کو دیا جس نے پیامِ زندگی
جس کی ہر تصنیف ہے نقشِ دوامِ زندگی

جس کا اک اک شعر ہے روحِ کلامِ زندگی
منضبط جس کے تخیل سے نظامِ زندگی

جس نے ملت کو سکھائے درسِ اطوارِ خرد
منتشر آفاق میں کر ڈالے انوارِ خرد

روح پرور ہیں جو اس شاعر کی نغمہ سنجیاں
موت میں بھی شان اس کی زندگی کی ہے عیاں

اس کے نقشِ پا ہمیں منزل کا دیتے ہیں نشاں
جس کے ہیں درسِ بصیرت رہنمائے کارواں

زندۂ جاوید بعدِ مرگ بھی اقبال ہے
تیرے نغموں سے نوائے زندگی اقبال ہے

*

یادِ اقبال

ایشیا کا فخر ، مشرق کا پیمبر چل بسا
آہ ! وہ اقبال ، وہ مردِ قلندر چل بسا

جس کی تابش سے منور تھا جہانِ شاعری
آسمانِ شعر و حکمت کا وہ خاور چل بسا

گرم تھا دل جس کا سوزِ احمدِ مختار سے
اجتہاد و صدق و آزادی کا پیکر چل بسا

جس نے پھونکا ملتِ بیضا میں افسونِ حیات
زندگیِ جاوداں کا وہ پیمبر چل بسا

عشق تھا جس کی نظر میں ملتوں کی زندگی
وہ محیطِ عشق و الفت کا شناور چل بسا

بام پر جس نے ترقی کے چڑھایا قوم کو
عہدِ موجودہ کا وہ بے باک رہبر چل بسا

وہ کہ جس کی ہر نوا تجدیدِ شانِ رفتہ تھی
سیرتِ بسطامی و بوذر کا مظہر چل بسا

* * *

آہ ! اقبال

سل گیا خاک میں اب علم و عمل کا رہبر
اٹھ گیا دہر سے اسلام کا بیدار نظر

اس کی آواز میں اک درد بھرا رہتا تھا
زخمِ دل اس کی صداؤں سے ہرا رہتا تھا

آج قدرت کے ارادوں کا مفکر نہ رہا
جس کی مٹھی میں دل و جاں تھے وہ ساحر نہ رہا

اب نظر آئے گا ہم کو نہ جمالِ نغمہ
مٹ گیا عالمِ فانی سے کمالِ نغمہ

چشمِ انجم کے اشارے کوئی دیکھے تو سہی
حسن مطلق کے شرارے کوئی دیکھے تو سہی

آسماں شوخیِ بے باک سے محروم ہوا
اور جہاں نغمۂ افلاک سے محروم ہوا

اس کے افکار میں گہرائی سماوات کی تھی
اس کی آہوں میں چمک، تلخیِ آفات کی تھی

محفلِ علم میں اک شعر کا اعجاز کہاں
نغمۂ انجمِ تاباں کا نوا ساز کہاں

آہ اسلام کی دولت کے لٹانے والے
آہ ظلمت میں نئی راہ دکھانے والے

آہ وہ شمع کہ جو عشق کی محفل میں نہیں
آہ وہ موج کہ جو حسن کے ساحل میں نہیں

جب عرب اور عجم پر تو عیاں ہوتا ہے
تجھ پہ اک برقِ تجلی کا گماں ہوتا ہے

میں تجھے خاک کی آغوش میں پاتا ہی نہیں
میں تجھے تنگ فضاؤں میں گنواتا ہی نہیں

انجم و خاور و مہتاب ہے منزل تیری
روح عالی ہے فرشتوں کے مقابل تیری

تیغِ فاروق رضؓ کے انوار دکھانے والے
فقرِ حیدر رضؓ کو دل و جاں میں بسانے والے

پیرِ رومی تجھے دامن میں چھپا لیتے ہیں
عرش والے تجھے سینے سے لگا لیتے ہیں

اقبال کی روح سے خطاب

آہ اے اقبال ، اے سرمایۂ بزمِ حیات
مدتوں تک روئے گا تجھ کو جہانِ بے ثبات

تھی تری ہستی سے وابستہ زمانے کی بہار
مشرق و مغرب تری فرقت میں ہیں ماتم گسار

زندگی کی جان بخشی پیکرِ بے جان کو
تو نے آدابِ خودی سکھلا کے ہر انسان کو

خارزارِ قوم کو تو گل بداماں کر گیا !
جس خزف پر کی نظر ، لعلِ بدخشاں کر گیا

تشنہ کاموں کو پلانے آیا تھا جامِ حیات
حشر تک باقی رہے گا تیرا پیغامِ حیات

اللہ والا فلسفی

کیوں گزشتہ ساعتیں پھر مجھ کو تڑپانے لگیں
زندگی کی حسرتیں پھر دل کو گھبرانے لگیں

بن گیا پھر کیوں پریشاں کن یہ فانوسِ خیال
وحشتیں پھر کیوں مری تخئیل پر چھانے لگیں

انبساطِ زندگی کی خوش نما تنویر میں
موت کی سی صورتیں کیوں کر نظر آنے لگیں

اٹھ گیا دنیا سے کوئی زندۂ جاوید کیا
کیوں فنا کی بدلیاں دنیا پہ منڈلانے لگیں

رو رہا ہے کون یہ لے لے کے نام اقبال کا
کچھ لحاظ اس کو نہیں مجھ سے پریشاں حال کا

کیوں نہ مضطر ہوں، نہیں اے دوست بیجا اضطراب
اور بڑھنا چاہیے اس وقت میرا اضطراب

مجھ پر اپنا کر قیاس اے ہم نوا تو ہی بتا
آہ اطمینان حاصل ہے تجھے یا اضطراب

جانتے تھے اپنا رہبر ہم سبھی اقبال کو
کیوں نہ ہوں پھر اس کی فرقت میں سراپا اضطراب

کیا خبر تھی یہ خبر اس درجہ ہو گی جانگسل
ہو گیا محتاجِ تدبیر آہ دل کا اضطراب

اطلاعِ رحلتِ اقبال میں کیوں کر سنوں ؟
یہ خبر ! ''چپ ہے نقیبِ جاہِ پیغمبر'' سنوں ؟

ملک و ملت کا حقیقی رہنما جاتا رہا
آدمیت کا دلِ درد آشنا جاتا رہا

قوم کی بیداریوں کو ناز تھا جس فرد پر
آہ وہ فردِ یگانہ کیا ہوا ؟ جاتا رہا

کیوں نظر آتا نہیں وہ رہبروں کا راہبر
مدعی جو رہنمائی کا نہ تھا جاتا رہا

حاسہ بیدار اس نے کر دیا کل قوم کا
جاذبِ مخلص دلِ حساس کا جاتا رہا

جو کشش اس کی قیادت میں تھی اوروں میں کہاں
آہ وہ حسنِ تخاطب ، اُف وہ تاثیرِ بیاں

اس کی تعلیمات سے روشن ہوئے صدہا چراغ
تھا دل افروزِ کبارِ قوم وہ روشن دماغ

ہند میں رہ کر حجازی منزلیں کرتے ہیں طے
ہم نے کیسے کیسے اس رہبر سے پائے ہیں سراغ

فرق پر اس کے جنابِ قاسم کوثرؑ کا ہاتھ
ہاتھ میں اس کے مئے عرفاں کا نورانی ایاغ

غم ربا اقبال کا ہر شعر عشرت ریز ہے
ہر پیام اس کا ہمارے واسطے گریز ہے

بھر دیا مقصود کے پھولوں سے دامن قوم کا
عطر افشاں ہے انہیں پھولوں سے مسکن قوم کا

ہو گیا شل اس کی زد سے مفسدوں کا دستِ کید
حسبتاً للہ مٹایا اختلافِ عمرو و زید

مستفید اس سے ہوا ہر فرد، دیکھو تو سہی
کون ہے صیادِ خوش دل؟ کون ہے غم ناک صید

قوم کو سمجھا دیے اس نے نکاتِ اتحاد
اس کی آزادانہ رو نے توڑ دی فرقوں کی قید

اب ہے جس منزل میں وہ اللہ والا فلسفی
اس سے اے منظور واقف ہیں سنائی و جنید

دے رہے ہیں گرچہ ظاہر ہیں صدائے الوداع
اس حیات آثار سے تو کہہ بجائے الوداع

السلام اے رہنمائے ملک و ملت السلام
السلام اے پیروِ ختمِ رسالت السلام

در ضیاے ملتِ بیضا لوایش یافتی
السلام اے طلعت افروزِ قیادت السلام

آیتے بودی تو از آیاتِ ایمان و یقین
السلام اے صاحبِ فضل و کرامت السلام

جلوۂ تنظیمِ ملت می دہد ہر نظمِ نو
السلام اے شاعرِ خورشید سیرت السلام

بر سپہرِ مجد نامِ روشنت تابندہ باد
با ہزاران جاہ و نعمت قومِ تو پائندہ باد

کہا ہاتف نے

●

نوزده ماهِ صفر وقتِ صباح
روحِ اقبال از غمِ لاحق گزشت

عارفِ حق ، قائدِ ملت نہ ماند
مردِ مومن ، بندۂ صادق گزشت

رازدارِ سوز و سازِ انجمن ،
صورتِ پروانہ ناطق گزشت

کرد چوں سیماب فکرِ سالِ مرگ
گفت ہاتف ، شاعرِ مشرق گزشت

۱۹۳۸ء

تاریخِ وفات

بگشتند فردوسیاں شادماں
چو اقبال از دہر رویش نہفت

بوقتیکہ بر بابِ جنت رسید
''چہ مردِ خدامست" رضوان گفت
۱۳۵۷ھ

* * *

رخِ مشرق پہ کیوں چھائی ہے ظلمت
یہ کس کی زندگی کی شمع گل ہے

گہن میں آ گیا مہرِ جہاں تاب
شبستانِ خودی کی شمع گل ہے
۱۹۳۸ء

* * *

اقبال چوں ز دنیا وقتِ سحر برفتہ
مرغِ سحر نوازد ، صاحب نظر برفتہ
۱۹۳۸ء

اے کہ بردی از وصالِ آں شہنشاہِ سخن
من چہ گویم با تو در شرحِ فراقِ جان و تن
زاں کہ آں دانائے رازِ عشق خود اندر ''پیام"
"گفت'' در جنت خرامیدم پس از مرگِ (بدن)

۱۹۳۸ء

* * *

از چیست کہ خوں می چکد از دیدۂ نرگس
از چیست کہ لب بستہ عنادل ز نوائے
چوں بادِ سحر خیز شنیدہ سخنم ، گفت
سروِ چمنِ عاشقی افتادہ ز پائے

۱۳۵۷ھ

* * *

بصدائے دردمند چو پیغامِ عشق داد
بہ جہانِ تشنہ مہرِ خمِ زندگی کشاد

۱۹۳۸ء

* * *

آج افسردہ و تاریک ہوئی بزمِ وفا
ہائے وہ عشق کی جاں ، شمعِ شبستاں اقبال

۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء

صرصرِ موت بجھا سکتی نہیں اس کو کبھی
بن گیا ہائے چراغِ تہہِ داماں اقبال

۱۹۳۸ء

رفت اقبال ز دہرِ فانی
خاست ز ہر سو شورِ ماتم
سالِ وفاتم فکر چو کردم
گفتم آں مفکرِ اعظم

۱۳۵۷ھ

* * *

رخت بربست از جہاں اقبالِ ما
آں امینِ شوقِ مشتاقی نہ ماند
ما تہی پیمانہ واماندیم حیف
آں قدح بشکست و آں ساقی نماند
در "مسافر" گفت خود سالِ وفات
"صدق و اخلاص و صفا باقی نماند"

۱۳۵۷ھ

* * *

اقبال نے جاری کیا، دنیا میں آئینِ خودی
سالِ وفات اس کا ہے یہ "پیغمبرِ دینِ خودی"
۱۹۳۸ء

●

بزیرِ سایۂ دیوارِ مسجد
نہاں آں واقفِ اسرار گشتہ
سروشے نعرہ برزد از فلک ہائے
"شہیدِ سایۂ دیوار گشتہ"
۱۳۵۷ھ

* * *

در جہاں فاش گفتہ رازِ خودی
رخ نہادہ چو سوئے باغِ ارم
قدسیاں ز آسماں ہمی گفتند
"ترجمانِ حقیقتِ آدم"
۱۳۵۷ھ

* * *

تخیل کی رفعت سے جس نے بنائی
زمیں شعر کی آسمانِ حقیقت
ہماری نگاہوں سے روپوش ہے وہ
"گیا آج چھپ ترجمانِ حقیقت"
۱۳۵۷ھ

●

آنکہ بگفتا در ''بالِ جبریل''

اقبال از تقدیر الٰہی

من ہم بگفتم با چشم گریاں

ک: ۲۰

ہر شے مسافر ، ہر چیز راہی

۱۳۳۷ + ۲۰ = ۱۳۵۷ھ

*

●

رخِ مشرق پہ کیوں چھائی ہے ظلمات
یہ کس کی زندگی کی شمع گل ہے
گہن میں آ گیا مہر جہاں تاب
''شبستانِ خودی کی شمع گل ہے''

۱۹۳۸ء

* * *

(علامہ مرحوم کے ایک شعر پر تضمین)

تبسم بر لب از دنیائے فانی شد سحرگاہے
چو بشنید ایں پیامِ دوست آں مردِ خودآگاہے
غبارے گشتہ، آسودہ نتواں زیستن ایں جا
۱۹۳۸ء
بہ بادِ صبحدم در پیچ و مینش ہرسرِ راہے

*

عبدالمجید ازل ، تلمیذ داغ مرحوم

قطعۂ تاریخ

گوش زد ہوتی نہیں کوئی مسرت کی خبر
کس قدر منحوس ہے اپنے لیے یہ سال بھی
لکھ سرِ جاوید سے ان کا ازل تو سال و سن
چل بسے اب اس جہاں سے حضرتِ اقبال بھی
۱۹۳۵ + ۳ = ۱۹۳۸ء

تاریخِ وفات

آہ آں اقبال با اقبالِ ما
آں کہ ما را داد درسِ آبرو

رفت خندان و مرا گریاں گزاشت
ساختیم از آبِ اشکِ خود وضو

شد نمازِ او ادا در بیتِ حق
مشرقش گردید پر رونق ازو

ہر مصلی کو سوے مسجد رود
اول آں جا می‌شود اقبال جو

فاتحہ خواند بروحِ آنکہ بود
صاحبِ صدق و صفا و نیک خو

آنکہ زورِ او خودی دریافتم
بےخودیِ ما عیاں شد کوبکو

حاصلِ دل گشت از سوز و گداز
شورشے انگیختم از ہا و ہو

قلبِ اُو گنجینۂ اخلاص بود
زاں کسے بودش نہ در عالم عدو

رحمتِ حق بر مزارِ او نثار
رافتِ احمدؐ انیسِ حالِ اُو

جلوہ فرما ہست اقبالِ عزیز
در خیال و در دل و در گفتگو

ہاتفا گو سالِ فوتش با ادب
"گشت بے اقبال دہر از مرگِ او"
۱۳۵۷ھ

قوم سے جاتا رہا وہ قوم کا اقبال بھی
فطرتِ حق کا جسے کچھ رازداں سمجھا تھا میں
یا اسے سمجھا تھا میں "پیغمبرِ دینِ خودی"
۱۹۳۸ء
یا چراغِ محفلِ ہندوستاں سمجھا تھا میں
۱۹۳۸ء

قطعۂ تاریخ

کون لائے گا اب پیامِ سروش
اے دل ! اقبال ہو گیا روپوش
''شمعِ خاموش''، سالِ ہجری ہے
۱۳۵۷ھ
عیسوی ، ''شمعِ شاعری خاموش''
۱۹۳۸ء

مولانا محمد احسن مارہروی،

ہے زوالِ علم و حکمت مرگِ سر اقبال

۱۳۵۷ھ

ابوالعلا چشتی

قطعهٔ تاریخِ وفات

مرگِ اقبال صدمہ ایست بزرگ
ناوکِ رنج و غم دلِ ما سفت

فکر کردم چو بہرِ تاریخش
ہاتف از غیب یَغْفِرُاللہٰ گفت

۱۳۵۷ھ

●

رفت اقبال ، آفتابِ جہاں

۱۳۵۷

رفت اقبال وقت ، بدر آیات

۱۹۳۸

رفت اقبال و ہم گل افشانی

۱۳۵۷

رفت اقبال و رفت زیبِ حیات

۱۹۳۸

فخرِ اسلام و نازِ عالمِ علم

۱۳۵۷

نازِ مشرق بہ بہترین صفات

۱۹۳۸

ترجمانِ حقیقتے بےباک

۱۳۵۷

حق پژوہ و فقرِ خوش اوقات

۱۹۳۸

آں قلندر صفت سخن پیرائے
۱۳۵۷
آں مثالِ حکیم وقفِ نکات
۱۹۳۸

نامِ اقبال ، روشن و شیریں
۱۳۵۷
ذاتِ اقبال ، مجمع الحسنات
۱۹۳۸

تربتِ پاک ، محفلِ قدسی
روحِ پرنور و مہبطِ برکات

قطعۂ گفتہ‌ام کہ ہر مصراع
مشعرے می شود بہ سالِ وفات

●

برفت اقبالِ ہند و شرق و اسلام
اگر خواہی کہ باز آید نہ آید

دگر در جانِ اسلام آتشِ عشق
بآں سوز و گداز آید نہ آید

دگر در سازِ مشرق نغمۂ شوق
بآہنگِ حجاز آید نہ آید

دگر در جامِ ہند آں بادۂ غرب
بفتوائے جواز آید نہ آید

نرفت اقبال از اسلام دل رفت
دگر ہم دلنواز آید نہ آید

نرفت اقبال از شرق آبرو رفت
دگر با عز و ناز آید نہ آید

نرفت اقبال از ہند آن و شان رفت
دگر کس عشوہ ساز آید نہ آید

ز شعرش یافتم ہم سالِ ہجری
بشانِ امتیاز آید نہ آید

سرآمد روزِ آں علامۂ ہند ۷۷۴
دگر دانائے راز آید نہ آید ۵۸۳

ھ۱۳۵۷

●

برفت اقبال و رفت از جاں قرارے
قرارِ جاں نواز آید کہ ناید

برفت اقبال و رفت از دیں بہارے
"نسیمے از حجاز آید کہ ناید"

برفت اقبال و رفت از شعر نغمہ
"سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید"

دگر آید کہ ناید حسن در نظم
دگر آں سوز و ساز آید کہ ناید

دگر آید کہ ناید عشق در شعر
حقیقت در مجاز آید کہ ناید

دگر آید کہ ناید مشربِ ناب
نگاہِ پاک باز آید کہ ناید

دگر از کارواں مشتِ غبارے
بشوقِ اہتزاز آید کہ ناید

خدا را بندگاں بسیار باشند
خودی را کارساز آید کہ ناید

سرے دارند و ہم سودا و ہم درد
سراں را سرفراز آید کہ ناید

سرِ ناز در کعبۂ دل
بآئینِ نیاز آید کہ ناید

درِ میخانۂ امید باز است
کسے از در فراز آید کہ ناید

ز شعرش ساختم تاریخِ رحلت
بفتواے جواز آید کہ ناید

برفت اقبال آں عرفاں نوائے ۱۳۳۵
دگر داناے راز آید کہ ناید ۶۰۳

۶۰۹۳۸

●

عیاں ہو فاش و خفی جس پہ وہ دلِ آگاہ
فضا جھمک اٹھے جس سے وہ برق تاب نگاہ

وہ عرش گیر تخیل کہ دیکھ اس کا عروج
زمیں کو رشک سے تکنے لگیں ستارہ و ماہ

طپیدِ قلب میں ہو جس کے سوزِ عالم سوز
بیانِ درد میں دنیا کے زخمیوں کی کراہ

نفوسِ مردہ کو دے جس کی تان یوں جنبش
صدائے کوس پہ جس طرح گامزن ہو سپاہ

ہم ایسے مطربِ ہنگامہ زن کے ہیں قائل
سنی ہیں ورنہ بہت خوش نوائیاں سرِ راہ

* * *

ندیم، دنگ نہ ہو دیکھ کر یہ رنگِ مقال
مری زباں کا ہر بول خونِ دل سے ہے لال

تمام دہر کا شیون ہے میرے بین میں آج
ہے مرأتِ غمِ گیتی مری جبینِ ملال

زمیں سے اٹھا ہے خیرالملل کا وہ سرخیل
عطا ہوا تھا جسے فکرِ آسماں پامال

نوا میں گونج گیا جس کی نغمۂ کونین
قلم سے جس کے کھنچا نقشِ حال و استقبال

وفاتِ حضرتِ اقبال! ہاشمی ہے ہے!
جگر میں قوم کے ناسورِ غم رہے گا یہ سال
۱۳۵۷ھ

قطعۂ تاریخِ وفات علامہ اقبال مرحوم

لطفِ مجلس کیا رہا جب میرِ مجلس اٹھ گیا
وائے ناکامی کہ بزمِ اہلِ دل برہم ہے آج

تھا جہاں کل نغمۂ مستانہ کا جوش و خروش
ہے وہاں آہِ مسلسل، نالۂ پیہم ہے آج

سینۂ مسلم کہ تھا گنجینۂ شوق و امید
ہے وفورِ یاس اس میں اور ہجومِ غم ہے آج

فکر کی جب سالِ رحلت کی تو دل نے دی صدا
ملتِ اسلام میں اقبال کا ماتم ہے آج
۱۳۵۷ھ

علامہ سر محمد اقبال

سرنگوں بعد محرم کے فلک پر نکلا
صورتِ ابروے خم گشتہ صفر کا جو ہلال

کہہ رہا تھا یہ اشارے سے کرے گا وہ سفر
جو سپہرِ ادب و علم کا ہے بدرِ کمال

صبح اکیسویں اپریل کی جس وقت ہوئی
آہ انیسویں تاریخ ہوا اس کا وصال

اہلِ پنجاب کے دل پر دے ناگاہ اس نے
داغِ رنج و الم و حسرت و اندوہ و ملال

ایک پنجاب نہیں ہند کے ہر گوشے میں
آ گیا نظم پہ سرمایہء اردو کے زوال

قوم کو اپنے ترانوں سے جگانے کے لیے
آپ ہی اپنی نظیر آپ ہی اپنی تھا مثال

قافلے بانگِ درا سے جو ہوئے تھے بیدار
ملک میں عہد سے ماضی کے بدلنے کو تھا حال

۱۳۵۷ھ

پہنچیں گے منزلِ مقصود پہ لیکن دل میں
رہے اندیشۂ فردا و غمِ استقبال

مرحبا زندہ رہیں زندہ دلانِ پنجاب
جن کو ہر صوبے کے افراد کا رہتا ہے خیال

کہہ دیا مجھ سے یہ ہاتف نے شفق برجستہ
فلسفی ، شاعرِ اسلام ، سر اقبال ہے سال
٢٦٠ + ٥٧١ + ١٣٢ + ٢٦٠ + ١٣٤ = ١٣٥٧ھ

●

شد بہ اسلام خاتمہ بالخیر
اے خوش آئین ڈاکٹر اقبال

شاعری چاک کرد جامۂ خویش
بہرِ تکفینِ ڈاکٹر اقبال

گفت سالِ وفاتِ او نیر
"خوابِ شیرینِ ڈاکٹر اقبال"
۱۹۳۸ء

مرثیۂ اقبال

اسد ملتانی

مرثیۂ اقبال

اسد ملتانی کا یہ مشہور مرثیہ پہلی بار ''طلوع اسلام'' ماہ جون ۱۹۳۸ء کے شمارے میں ایڈیٹر (غلام احمد پرویز) کے اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوا تھا :

''حضرت علامہ اقبال نے جو فلسفۂ غم کے متعلق فرمایا ہے کہ ساز حیات کے بہت سے خوابیدہ نغمات مضراب غم سے بیدار ہوتے ہیں ، اس کی تصدیق جناب اسد کے اس مرثیے سے ہوتی ہے۔ جناب اسد کی شاعری میں جوش و امید اور بصیرت و ایقان کی وہ تمام خصوصیات موجود ہوتی ہیں جو ایک حقیقی اسلامی شاعر کے کلام میں ہونی چاہییں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ فطرت نے ان کے بربط ہستی کے تاروں میں اثر و درد اور سوز و گداز کے یہ المیہ نغمات شاید اسی حادثۂ جانکاہ کے لیے چھپا رکھے تھے۔ بایں ہمہ بڑی خوبی یہ ہے کہ ہمارے خوددار شاعر نے ان نواہائے غم کو کچھ ایسا پردہ ہائے ساز میں چھپایا ہے کہ مرثیہ بجائے اظہار غم کے پردہ دار غم ہوگیا ہے۔ آنکھ میں ڈبڈبائے ہوئے آنسوؤں کو آبگینۂ دل کی طرف لوٹا دینا اور یوں آبروئے ضبط کو قائم رکھ لینا کچھ آسان مرحلہ نہیں ہے۔ پھر یہ امر قابل غور ہے کہ ہجوم غم نے جناب اسد کی

خصوصیات شاعری کو اس مرثیہ میں بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا اور اس طرح سحاب اشک میں سے گزری ہوئی شعاع امید نے جو اثر و جذب میں ڈوبی ہوئی قوس قزح پیدا کی ہے، وہ اردو زبان کے مرثیوں میں پہلی مثال ہے۔

''کس قدر مبارک ہیں وہ آنکھیں کہ جن کے ڈھلکتے ہوئے آنسوؤں کو فرشتوں کے دامن پونچھتے ہیں اور کس قدر بلند مقام ہیں وہ ہستیاں جن کی یاد میں کسی کی خونفشانی کو یہ مرتبہ حاصل ہو جائے''۔

(طلوع اسلام)

الٰہی کیسی قیامت کی یہ سحر آئی
جو آج رحلتِ اقبال کی خبر آئی

وفاتِ شاعرِ مشرق کی اطلاع ملی
کہ روح و قلب میں برقِ بلا اتر آئی

زمانہ ہو گیا آنکھوں میں ایسا تیرہ و تار
کہ زندگی میں جھلک موت کی نظر آئی

خدا کرے کہ غلط ہو یہی تھی خواہشِ دل
خبر اگرچہ نہایت ہی معتبر آئی

ہزار حیف دوا کوئی کارگر نہ ہوئی
دعا فلک پہ گئی اور بے اثر آئی

ہمارا گنجِ گراں مایہ اس کے ہاتھ لگا
لٹے جو ہم تو قضا کی مراد بر آئی

سیاہ روز ہوئی آج ملتِ بیضا
کہ شامِ غم سے بھی اک تیرہ تر سحر آئی

امامِ فلسفہ و شاعری کا ماتم ہے
مہِ صفر بھی ہمارے لیے محرم ہے

جو کائنات مسخر بھی ہو تو کیا حاصل ؟
نہیں ہے موت پہ انساں کا اختیار افسوس

نہیں ہے ہستیِ موہوم کا یقیں کچھ بھی
نہیں ہے عمرِ دو روزہ کا اعتبار افسوس

روانہ ہو گیا ملت کے باغِ ویراں سے
خزاں کے دور کا پیغمبرِ بہار افسوس

بھڑکنے پائی نہ اس کی نوا سے آتشِ گل
کہ جل کے رہ گئی خود عندلیبِ زار افسوس

چمن میں ایک نئے دور کا کیا آغاز
اور آپ چل دیا افسوس صد ہزار افسوس

ابھی نہ آیا تھا ان گلبنوں پہ رنگِ بہار
جنھیں وہ کرتا تھا اشکوں سے آبیار افسوس

خود اپنی آنکھوں سے وہ فصلِ گل نہ دیکھ سکا
تمام عمر کیا جس کا انتظار ، افسوس

جو بعدِ مرگ ملا عیش کا پیام تو کیا
پس از اجل ہوا محفل کا اہتمام تو کیا

کمی نہیں ہے زمانے میں رہنماؤں کی
مگر وہ راہنماؤں کا رہنما نہ رہا

زمانہ کانپتا تھا جس کی بے نیازی سے
وہ مردِ مومن و درویشِ بے نوا نہ رہا

کھلے نہ اس کے مقامات اہلِ ظاہر پر
کہ انجمن میں وہ عارف قلندرانہ رہا

کرے گا اب دلِ یزداں بھی یہ کمی محسوس
کہ ایک بندۂ گستاخ لب کشا نہ رہا

تھا جس کا زمزمہ غالب نوائے فطرت پر
جہاں میں آج وہ شاعر غزل سرا نہ رہا

جہان کو شعرِ دل آویز کے بہانے سے
سنا رہا تھا جو پیغامِ آشنا نہ رہا

بجھا دل ایسا کہ اقبال کی وفات کے بعد
اسد مرے لیے جینے میں کچھ مزا نہ رہا

ذرا بھی جی نہیں لگتا جہانِ فانی میں
خلا سا ہوتا ہے محسوس زندگانی میں

تجھے خدا نے جو واپس بلا لیا اقبال
ترے پیام کی تکمیل ہو گئی ہو گی

اب آسماں تری آمد کے منتظر ہوں گے
زمیں پہ تیری ضرورت نہیں رہی ہو گی

جہان اور جو آگے ہیں ان ستاروں سے
وہاں طلب ترے فکرِ بلند کی ہو گی

جو پڑ گئی ہے ضرورت تری نواؤں کی
فضائے خلد کے نغموں میں کچھ کمی ہو گی

ہم ایسی باتوں سے دل کو ہزار بہلائیں
مگر نہ دور طبیعت کی بیکلی ہو گی

مٹے گا داغ نہ دل سے تری جدائی کا
خلش نہ کم ترے دردِ فراق کی ہو گی

میں تجھ سے چند مہینے ہوئے کہ مل آیا
خبر نہ تھی یہ ملاقات آخری ہو گی

کہاں کرائے گی جاوید منزل اب تری دید
کہ تو نے جا کے بسالی ہے منزلِ جاوید

ترا مقام تو ہے شاعری سے بالا تر
ہے تیری ذات پہ البتہ شاعری کو ناز

یہ شاعری ہے کہ شعر و سخن کے پردے میں
خودی کی جلوہ نمائی، خدا سے راز و نیاز

دلوں کو دے جو نئی زندگی وہ درد و اثر
کرے جو روح کی نشو و نما وہ سوز و گداز

نگاہ جاتی ہوئی کائنات کے دل تک
سخن پہنچتا ہوا تا بہ سرحدِ اعجاز

بہت طویل زمانے کے بعد آیا تھا
فضائے ہند میں اک موجۂ نسیمِ حجاز

شمیم بیز، دل آویز اور جنوں انگیز
ولیک حیف بہت تیز اور سبک پرواز

جو اس قدر سفرِ آخرت میں جلدی کی
تھا تیرے واسطے کارِ جہاں بس اتنا دراز

کسی کو اور کرانا تھا انتظار ابھی
کچھ اور دن اسے رکھنا تھا بے قرار ابھی

یہ کیا قضا و قدر کی ستم ظریفی ہے
اسیرِ دامِ اجل شاعرِ حیات ہوا

نہیں ، اک اور جہاں کی تلاش میں شاید
رواں وہ طالبِ اسرارِ کائنات ہوا

جو مطمئن نہ ہوا جلوۂ صفات سے وہ
تو رہ نورد بسوئے حریمِ ذات ہوا

حیات کے حرمِ پاک میں وہ اب بھی ہے
فنا کا بتکدہ محرومِ التفات ہوا

کہا میں موت سے ڈرتا نہیں مسلماں ہوں
بوقتِ نزع بھی ثابت ترا ثبات ہوا

خوشی سے خلد میں جا اے رسول کے عاشق
یہ عشق تیرے لیے ضامنِ نجات ہوا!

ترے تو گوشۂ مرقد میں روشنی ہوگی
مگر ہمارے لیے آہ دن بھی رات ہوا

ہوا جہاں میں یکایک یہ انقلاب افسوس
غروب ہو گیا مشرق کا آفتاب افسوس

بہت دنوں سے یہاں عارفانِ صاحبدل
نہ مسجدوں میں تھے باقی نہ خانقاہوں میں

جو تھے فقیر تو رہبانیت کے گوشہ نشیں
جو تھے امیر تو شاہوں کی بارگاہوں میں

ترے وجود نے اک بار کر دیا تازہ
زمانہ رومی و رازی کا پھر نگاہوں میں

کبھی جو تھی دلِ رومی سے عقلِ رازی سے
وہ روشنی نظر آئی تری نگاہوں میں

ترے کلام نے توڑا فرنگ کا وہ فسوں
سراغِ زیست دکھاتا تھا جو گناہوں میں

کلیم و خانۂ فرعون کی مثال ہوئی
وہ تربیت تری مغرب کی درسگاہوں میں

صراطِ عشق پہ تونے لگا دیا ان کو
بھٹک رہے تھے جو عقل و ہوس کی راہوں میں

یہ رمز ہے شعرا پر تری فضیلت کی
دلوں میں ہے تری عظمت بھی اور محبت بھی

وہ شعر و فلسفہ کا بحرِ بیکراں اقبال
جنونِ عشق و محبت کا راز داں اقبال

وہ فلسفے میں خودی کا پیامبر اقبال
وہ شاعری میں حقیقت کا ترجماں اقبال

وہ جسمِ قوم میں مثلِ دماغ و دیدہ و دل
وہ روحِ فطرتِ اسلام کی زباں اقبال

یہ مانتا ہی نہیں دل کہ پا گیا ہے وفات
وہ میرا مرشد و استادِ مہرباں اقبال

نہیں نہیں ، کبھی اقبال مر نہیں سکتا
سپردِ خاک ہوا جو وہ ہے کہاں اقبال

وہ کر رہا تھا کئی دن سے اس میں در پیدا
گیا نہ عاقبت "آں سوے آسماں" اقبال

دلوں میں تا بہ قیامت رہے گی یاد اس کی
اگرچہ آج نگاہوں سے ہے نہاں اقبال

جناں میں اس کا قیام اور جہاں میں اس کا کلام
دو گونہ ہو گئی حاصل اسے بقائے دوام

نظر ہے کتنی ہی محدود نارسا ان کی
جنھیں گماں ہے کہ اقبال سخت کوش نہ تھا

شعاعِ مہر کی صورت حیات پرور تھا
عجب نہیں جو بظاہر وہ گرم جوش نہ تھا

نسیمِ صبح کے مانند تھا وہ غنچہ کشا
تباہ‌کاریِ طوفانِ پرخروش نہ تھا

اسی کی مے کا اثر تھا یہ سب اگرچہ وہ خود
شریکِ شورشِ رندانِ بادہ نوش نہ تھا

خریدنا اسے چاہا جہاں نے بہتیرا
مگر وہ بندۂ آزاد خود فروش نہ تھا

تمام زندگی اس کی تھی اک جہادِ عظیم
وہ گرچہ تیغ بدست و کفن بدوش نہ تھا

نگاہِ اہلِ محبت میں تھا ولی اقبال
کمی جو تھی تو یہی تھی کہ خرقہ پوش نہ تھا

اگرچہ آج جہاں سے گزر گیا اقبال
جو کام کرنے کو آیا تھا کر گیا اقبال

وہ خود نہیں مگر اس کا پیام باقی ہے
وہ چپ ہوا مگر اس کا کلام باقی ہے

وہ آسماں کی طرف اڑ گیا مگر اس کا
زمینِ شعر پہ نقشِ دوام باقی ہے

اگرچہ میکدہ سے اٹھ کے چل دیا ساقی
وہ مے، وہ خم، وہ صراحی وہ جام باقی ہے

جو رہ گئی ہے رگِ تاک میں وہی نہ سہی
کھچی ہوئی تو مئے لالہ فام باقی ہے

وہ مردِ پاک نظر جس کی طرح ڈال گیا
ابھی وہ کام بہت نا تمام باقی ہے

وہ جس نظام کی رکھتا تھا آرزو دل میں
بہت کچھ اس کا ابھی انتظام باقی ہے

اگرچہ صدمہ ہے صبر و ثبات سے بڑھ کر
سنبھالو ہوش کہ دنیا میں کام باقی ہے

کہیں نہ جوشِ عمل سیلِ اشک میں بہہ جائے
جو بات کہہ گیا اقبال وہ یوں ہی رہ جائے

اٹھو مقابلۂ گردشِ زمانہ کریں
حیات و موت کو پا بستۂ قضا نہ کریں

فنا یہی ہے کہ دل میں نہ ہو یقینِ بقا
بقا یہی ہے کہ اندیشۂ فنا نہ کریں

عجب نہیں کہ یہی بجلیاں حوادث کی
ہمارے توسنِ ہمت کو تازیانہ کریں

اسی سے ملت خوابیدہ جاگ اٹھے شاید
وطن میں عام پھر اقبال کا ترانہ کریں

نہ مل سکا طلبِ نیم گرم سے کچھ بھی
اب ایک بار تقاضائے والہانہ کریں

جمالِ یار تو بیتابِ خود نمائی ہے
پر اہلِ دل بھی تو پیدا کوئی بہانہ کریں

اسی لیے ہو اسد رفعتِ جبیں کی طلب
کہ سجدہ کر کے بلند ان کا آستانہ کریں

یہی ہے حضرتِ اقبال کا پیامِ حیات
اسی پیام سے حاصل کریں دوامِ حیات

تعلیقات

ترانۂ مسرت : (صفحہ ۸) از میر غلام بھیک نیرنگ ۔

اقبال کی سفر یورپ سے واپسی کے موقع پر میر غلام بھیک نیرنگ نے ترانۂ مسرت کے زیر عنوان یہ نظم لکھی تھی ۔ یہ نظم مخزن ، اگست ۱۹۰۸ء کے شمارے میں میر غلام بھیک نیرنگ کے اس تمہیدی نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی تھی :

''اقبال کا ولایت سے بخیریت واپس آنا اہل دل اور اہل سخن کے لیے کوئی معمولی خوشی کی بات نہیں ہے ۔ یہی ایک شخص ہے جس کے دم سے اردو زبان کی اعلیٰ اور سچی شاعری کی تمام امیدیں آج وابستہ ہیں ۔ ان کے تشریف لانے سے اہل علم اور ارباب ذوق اور اصحاب سخن میں ایک خاص مسرت پھیلی ہوئی ہے ۔ راقم عرصۂ دراز سے دنیا کے دھندوں میں اس قدر گرفتار ہے کہ شغل سخن سے قطعی محروم ہے ۔ مگر اقبال کی آمد کی خوشی نے انبالہ سے دہلی جاتے ہوئے ریل میں مندرجہ ذیل سطریں لکھوا ہی لیں ۔ یہ سطریں ۲۶ جولائی ۱۹۰۸ء کو درگاہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ ، مقام دہلی میں ایک ایسی بزم میں پڑھی گئیں جس میں اقبال کی شمع کمال کے چند پروانے جمع

تھے اور جہاں دن بھر اقبال کی آمد کی خوشی میں یہ مہمان نوازی حضرت خواجہ سید حسن نظامی صاحب دام فیضہ مہتمم توشہ خانہ حضرت محبوب الٰہی بزمِ احباب منعقد رہی ۔ اس بزم کے حاضرین میں سے خواجہ صاحب موصوف ، شیخ عبدالقادر بی اے ، بیرسٹرایٹ لا ، شیخ محمد اکرام صاحب جائنٹ ایڈیٹر مخزن ، مولوی محمد عبدالرشید صاحب الخیری ، سید جالب صاحب دہلوی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں"۔

*

قضائے برشکال اور پروفیسر اقبال : (صفحہ ۱۰) منشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی -

علامہ اقبال ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک یورپ میں قیام پذیر رہے - اس اثنا میں شعر و شاعری کی طرف ذرا کم توجہ رہی - برصغیر میں آپ کے عقیدت مند شاعری سے آپ کی بےتوجہی پر ملول تھے - بعض احباب نے اس کم سخنی کی شکایت بھی کی - آپ کے سکوت کو توڑنے کے لیے اس زمانے میں منشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی نے یہ نظم لکھی جو مخزن کے اگست ۱۹۰۶ء کے شمارے میں شائع ہوئی -

منشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی ، اقبال کے عقیدت مند اور خوش فکر شاعر تھے- ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے - ۳ دسمبر ۱۹۱۰ء کو سورگ باش ہوئے -

ہدیۂ اقبال : (صفحہ ۱۳) مولانا محمد اسماعیل مغموم ۔

۱۹۲۸ء میں علامہ اقبال مدراس میں خطبات دینے کے لیے تشریف لے گئے ۔ آپ کے یہ خطبات بہت مشہور ہیں ۔ آپ کی تشریف آوری کے موقع پر جنوبی ہند کے مشہور قومی کارکن ، اور معروف نعت گو شاعر ، حضرت سیٹھ مولانا محمد اسماعیل مغموم (مصنف کلیات مغموم) نے یہ نظم لکھی اور آپ کی آمد پر ہونے والی ایک خوبصورت تقریب میں پڑھی ۔

اقبال : (صفحہ ۱۹) ابوالعلا چشتی (حاجی لق لق) -

ابوالعلا چشتی نے جو اردو کے مزاحیہ ادب میں حاجی لق لق کے نام سے مشہور ہیں ، یہ نظم بغداد میں لکھی تھی - ان دنوں وہ ملازمت کے سلسلے میں وہاں مقیم تھے - یہ نظم علامہ اقبال سے ان کی گہری محبت اور عقیدت کی دلالت کرتی ہے -

یہ نظم نیرنگ خیال کے اقبال نمبر (۱۹۳۲ء) میں شائع ہوئی -

پیام اقبال : (صفحہ ۲۱) محمد دین تاثیر ۔

روزنامہ امروز کا ۲۲ اپریل ۱۹۴۹ء کا پرچہ اقبال نمبر تھا ۔ اس میں تاثیر صاحب کی یہ نظم ایڈیٹر کے اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی تھی :

''اسلامیہ کالج کے پرنسپل ، مشہور شاعر ، ادیب اور نقاد ، علامہ اقبال کے پرانے نیازمند اور عقیدت کیش ہیں ۔ کلام اقبال پر بڑا عبور رکھتے ہیں ۔ اقبال کے متعلق انھوں نے اردو ، اور انگریزی میں بیسیوں خیال افروز مضامین لکھے ہیں ۔

اب کے علالت کے باعث امروز کے لیے نثر کا کوئی مضمون تو نہیں لکھ سکے البتہ انھوں نے ایک بہت اچھی نظم لکھ ڈالی ہے جس میں بڑی خوبی سے اقبال کے فلسفۂ حیات کی وضاحت کی گئی ہے''۔

شاعر مشرق کے مزار پر : (صفحہ ۳۰) جگن ناتھ آزاد -

اردو کے مشہور شاعر ، اقبال کے عاشق زار اور معتقد ، تلوک چند محروم کے بیٹے ، جگن ناتھ آزاد ۱۹۵۶ء میں لاہور آئے تو علامہ اقبام کے مزار پر حاضری دی - اس موقع پر یہ نظم کہی گئی -

جگن ناتھ آزاد ، علامہ اقبال پر کئی نظموں اور بہت سے مضامین اور مقالات کے مصنف ہیں -

ایک تاریخی سلسلۂ نظم (صفحہ ۱۲۳) ۔

۱۹۲۰ء میں علامہ اقبال نے شعر و سخن کے ضمن میں سکوت اختیار کر لیا ۔ اس واقعے کا تذکرہ متعدد جگہ ہوا ہے ۔ آپ کے سکوت نے آپ کے مداحوں اور چاہنے والوں کو تڑپا دیا ۔ جو صاحب نظر اور صاحب دل آپ کی شاعری کے دلدادہ تھے ، انھیں آپ کی خاموشی نے گویا ایک عظیم نعمت سے محروم کر دیا ۔ ۔ ۔ ۔ اس موقع پر علامہ عرشی نے ایک نظم سپرد قلم کی اور چھپوا دی ۔ ۔ ۔ ۔ علامہ اقبال نے جب یہ نظم پڑھی تو بہت متأثر ہوئے اور اس کا منظوم ہی جواب تحریر فرمایا ۔ ۔ ۔ ۔ اس پر روزنامہ ''زمیندار'' میں مولانا ظفر علی خان اور علامہ طغرائی نے بھی منظوم تأثرات قلم بند فرمائے ۔

یہ سلسلۂ نظم چونکہ حیات اقبال کے ایک اہم واقعے کا تاریخی اور منظوم حوالہ ہے اس لیے اسے بھی اس مجموعے میں شامل کرنا لازمی گردانا گیا ہے ۔

تیرے بغیر : (صفحہ ۱۳۱) مولانا حسرت موہانی ۔

مولانا حسرت موہانی کی یہ نظم ہم نے چراغ حسن حسرت کی مرتب کردہ کتاب ''اقبال نامہ'' سے لی ہے ۔ یہ کتاب ''شیرازہ'' کے اقبال نمبر کے مندرجات پر ہی مشتمل تھی ۔ اس کتاب میں جناب چراغ حسن حسرت کا نوٹ بھی نظم کے ساتھ شامل ہے :

''مولانا حسرت موہانی نے ذیل کا تعزیت نامہ علامہ اقبال کے صاحب زادے جاوید اقبال کے نام لکھا ہے ۔ اگرچہ مولانا نے حضرت علامہ اقبال پر صرف پانچ شعر لکھے ہیں لیکن ہر شعر اشکِ خونیں ہے جو بے اختیار نوک قلم سے ٹپک پڑا ہے''۔

مولانا حسرت موہانی کا خط درج ذیل ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کانپور—مؤرخہ ۲۲ اپریل ۱۹۳۸ء

عزیزی

السلام علیکم ۔ آج کے اخباروں میں اقبال مرحوم کے انتقال پر ملال کا حال پڑھ کر جس قدر صدمہ ہوا اس کا

اظہار بذریعہ الفاظ نہیں ہو سکتا - اللہ تعالیٰ انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے -

اپریل ۱۹۳۷ء میں بیگم حسرت موہانی کا انتقال ہوا تھا ، اس سانحۂ ہوشربا کے بعد فقیر کا دل مشغلۂ شعر و سخن سے سرد ہو چکا تھا کہ اب اقبال کے اس حادثۂ عظیم نے بے دلی و افسردہ مزاجی کی تکمیل کر دی - انا للہ و انا الیہ راجعون

غمزدہ

حسرت موہانی

اقبال بلند ہو گیا ہے : (صفحہ ۱۴۳) حفیظ جالندھری

ابوالاثر حفیظ جالندھری کی یہ نظم مکتبہ جامعہ کے میگزین ''جوہر'' کے خصوصی شمارے (۱۹۳۸) میں، جو علامہ اقبال کی یاد میں شائع ہوا، اول مرتبہ چھپی تھی۔ ان ایام میں جناب حفیظ خود بھی علیل تھے اور لندن میں مقیم تھے۔ نظم سے پہلے ایڈیٹر کا ایک نوٹ بھی شائع ہوا جو درج ذیل ہے :

''حضرت حفیظ نے علالت کے باوجود ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور رحلت اقبال پر یہ چند شعر لندن سے ارسال فرمائے۔ آپ مرحوم کا ایک مستقل مرثیہ لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خدا ان کو شفا دے کہ اپنے ارادے کو جلد از جلد پورا کریں''۔

(مدیر)

غم اقبال : (صفحہ ۱۸۱) اسد ملتانی -

یہ نظم ''طلوع اسلام'' کے جولائی ۱۹۳۸ء کے شمارے میں ایڈیٹر (غلام احمد پرویز) کے اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی تھی -

''جناب اسد کا مرثیہٴ اقبال آپ اشاعت ما سبق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں ، اب ''تسکین غم'' آپ کے پیش نظر ہے - مرثیہ تھا تو - - - - اور اب تلقین صبر ہے تو - - - - دونوں جگہ آپ اس حقیقت کو نمایاں دیکھیں گے کہ :

بیقراری ہے کس قرار کے ساتھ
جبر ہے دل پہ اختیار کے ساتھ

سیلاب غم ہو یا ہجوم مسرت مومن کی شان یہ ہے کہ اس کی نگاہ کا ہر زاویہ اور اس کے قلب کی ہر حرکت مرضات الٰہی کے تابع ہو''- (طلوع اسلام)

(اقبال کا) مرثیہ : (۱۹۷) اکبر لاہوری

ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کی خبر شہر میں پھیلتے ہی کاروباری ادارے اور سرکاری دفاتر بند ہوگئے اور مسلمان جوق در جوق ان کی میو روڈ والی کوٹھی کی طرف دوڑنے لگے ۔ آخری زیارت کرنے والوں میں راقم الحروف بھی تھا ۔ جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو ڈاکٹر صاحب کو غسل دے کر چارپائی ان کی کوٹھی میں اس طرح رکھی ہوئی تھی کہ زیارت کرنے والے ایک طرف سے گزرتے جاتے تھے اور دوسرے لوگ ان کے پیچھے پیچھے آسکتے تھے ۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر عجب سکون تھا جسے سکوت مرگ تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے چہرے پر ابھی تک سرخی جھلک رہی تھی ، البتہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ ہنگامہ آرا سخن ور یکایک خاموش ہوگیا تھا ۔ وہیں اس نظم کا آغاز ہوا جس کا عنوان تھا : ''اقبال کو چپ دیکھ کر'' اور شاہی مسجد تک پہنچتے پہنچتے، جہاں ان کی نماز جنازہ پڑھائی گئی اور تدفین عمل میں آئی ، یہ نظم مکمل ہو چکی تھی - اس لحاظ سے یہ حضرت اقبال کا ''پہلا مرثیہ'' ہے -

(اکبر لاہوری)

مآخذ

کتب :

۱ - یاد اقبال : غلام سرور فگار - اقبال اکیڈیمی لاہور - ۱۹۴۴ء -

۲ - یادگار اقبال : سید محمد طفیل احمد بدر امروہوی ، آزاد بکڈپو لاہور ۱۹۴۵ء -

۳ - اقبال نامہ : چراغ حسن حسرت -

۴ - باقیات اقبال : مرتبہ سید عبدالواحد معینی، معتمد مجلس اقبال ، کراچی -

۵ - محیط : احمد ندیم قاسمی - التحریر - لاہور ، ۱۹۷۶ء -

۶ - حریم وطن : یوسف ظفر - برق اینڈ کو ، لاہور ، ۱۹۶۱ء -

۷ - گفتنی نا گفتنی : شورش کاشمیری ، مطبوعات چٹان ، لاہور ، ۱۹۵۶ء -

۸ - زر گل : مولانا کوثر نیازی ، مکتبہ تعمیر انسانیت ، لاہور ، ۱۹۵۶ء -

۹ - مقالات یوم اقبال : قومی کتب خانہ لاہور ، مرتبہ انٹر کالجئیٹ مسلم برادر ، ہڈ - سن ندارد -

۱۰ - لہو ترنگ : سکندر علی وجد - عبدالحق اکیڈیمی ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۴۴ء -

۱۱ - اقبال اور حیدر آباد دکن : نظر حیدرآبادی ، اقبال اکیڈیمی کراچی -

۱۲ - سرخ سویرا : مخدوم محی الدین - اشاعت گھر ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۴۴ء -

۱۳ - بزم اقبال : طاہر فاروقی ، شاہ اینڈ کمپنی آگرہ ، ۱۹۴۴ء -

۱۴ - لامکاں تا لا مکاں: تصدق حسین خالد، نصرت پبلی کیشنز کراچی ، ۱۹۷۶ء -

۱۵ - اقبال ایرانیوں کی نظر میں : اقبال اکیڈیمی ، کراچی ، ۱۹۵۷ء - مؤلفہ ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی -

رسائل ، جرائد ، مجلے :

۱ - لیل و نہار (اقبال نمبر) متعدد شمارے -

۲ - مخزن : متعدد شمارے -

۳ - نیرنگ خیال (اقبال نمبر) ۱۹۳۲ء -

۴ - (مجلہ) یوم اقبال ، ۱۹۵۲ء -
محکمہ اسلامیات حکومت پنجاب -

۵ - ہمایوں : متعدد شمارے -

۶ - (مجلہ) مقالات یوم اقبال ۱۹۶۶ء -
(مجلہ) مقالات ، یوم اقبال ۱۹۶۷ء -

۷ - ماہِ نو (اقبال نمبر) متعدد شمارے -

۸ - سب رس (اقبال نمبر) حیدرآباد دکن : خواجہ حمید الدین شاہد ، صاحبزادہ میکش -

۹ - ہفت روزہ قندیل (اقبال نمبر) لاہور : متعدد شمارے -

۱۰ - اقبال : انجمن ترقی اردو ، دہلی ۱۹۴۴ء -

۱۱ - جوہر (اقبال نمبر) : مکتبۂ جامعہ ، دہلی ۱۹۳۸ء -

۱۲ - طلوعِ اسلام : غلام احمد پرویز ، ۱۹۳۸ء متعدد شمارے -

۱۳ - حیات جاوداں (اقبال نمبر) ۱۹۶۱ء -

۱۴ - مہک : گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ (اقبال نمبر) -

۱۵ - ماہنامہ تاج (اقبال نمبر ۱) ۱۹۳۸ء ، تاج کمپنی لمیٹڈ -

۱۶ - ادبی دنیا (اقبال نمبر) عبداللہ قریشی ، لاہور -

اخبارات :

۱ - روزنامہ احسان لاہور (اقبال نمبر) متعدد شمارے -

۲ - روزنامہ زمیندار لاہور (اقبال نمبر) متعدد شمارے -

۳ - روزنامہ انقلاب لاہور (اقبال نمبر) متعدد شمارے -

۴ - روزنامہ امروز لاہور (اقبال نمبر) متعدد شمارے -

۵ - روزنامہ جنگ کراچی (اقبال نمبر) متعدد شمارے -